اچھی
کتاب
کا
نکھار
ہمیشہ
قائم
رہتا
ہے

نادان

ایک دلچسپ معاشرتی ناول

حصہ اول

رئیس احمد جعفری

RIZVIA GIRLS SECONDARY SCHOOL
LIBRARY
79

ناشران

آئینۂ ادب - چوک بینار انارکلی لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل
۱۹۶۵ء
قیمت: چھ روپے پچھتر پیسے

اہتمام
م، ع، سلام، آئینۂ ادب - چوک مینار
انار کلی لاہور

(اشرف پریس لاہور)

بیگم آثم ملک کے نام

(۱)

خالدہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔ شوہر، ساس، نند اور دوسرے عزیز بسترِ مرگ کے اردگرد جمع تھے، سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے خالدہ کے سبھاؤ نے، سسرال کے ایک ایک فرد کو اس کا پرستار بنا دیا تھا، وہ کسی کا دل توڑنا نہیں جانتی تھی، کسی سے بدسلوکی نہیں کرتی تھی، ملازموں تک سے اس کا برتاؤ محبت اور شفقت کا تھا۔ بڑے سے بڑے نقصان پر نہ اس نے کسی کی تنخواہ کاٹی، نہ برا بھلا کہا، اس طرح خاموش ہو رہتی جیسے یہ نقصان اسی سے ہوا ہو، گھر کے نوکر، خادمائیں، عزیز، رشتے دار، حکیم، ڈاکٹر، سب جمع تھے، سب کی دلی آرزو تھی خالدہ بچ

جائے، ابھی اس نے دُنیا کا دیکھا ہی کیا تھا؟ ۲۷ سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے، دس سال پہلے کس شان سے دُلھن بن کر، حسن و رعنائی، زندگی اور شباب، وقار و تمکین، اور نشاط و مسرت کا پیکر بنی ہوئی وہ اس گھر میں آئی تھی، اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی تھی، سر پر اور آنکھوں پر بٹھائی گئی تھی اس لیے نہیں کہ ایک امیر گھر کی لڑکی تھی، اور اپنے ساتھ آنکھوں کو چکاچوند کر دینے والا جہیز لائی تھی بلکہ اس لیے کہ اس کے اخلاق، سبھاؤ اور چلن میں کچھ ایسا جادو تھا کہ جو اسے دیکھ لیتا تھا اس کا کلمہ پڑھنے لگتا تھا، وہ سب کی دوست تھی، دشمن کسی کی نہ تھی، وہ سب کی ہمدرد تھی، بدخواہ کسی کی نہ تھی، اس کا خلوص دشمنوں کو دوست بنا لیتا تھا، اس کا اخلاق دلوں کو جیت لیتا تھا، اس کا سبھاؤ ان بی بیوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کر دیتا تھا، جو گھر میں ہر آنے والی بہو پر تنقید کرتے کرتے اور کیڑے نکالتے نکالتے بوڑھی ہو گئی تھیں، وہی خالدہ دق کے تیسرے درجے پر پہنچ کر آج بستر مرگ پر دراز تھی، اور بہت جلد اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے والی تھی، وہ بیکلی سے کروٹیں بدل رہی تھی، ہر کوئی چاہتا تھا کہ اس کی تکلیف خود لے لے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس کی بیکلی اور اضطراب پر سب کا دل کڑھ رہا تھا، سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت اس کے آٹھ سال کے بچے مسعود کی تھی، کبھی وہ ماں کی بیکلی

دیکھتا تھا، کبھی ڈاکٹر کی مایوس صورت، کبھی باپ کی پُر نم آنکھیں کبھی دوسرے لوگوں کی غمگین صورت، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ اسے سمجھ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی پیاری ماں، جو اسے دُنیا جہان سے زیادہ چاہتی تھی سفرِ آخرت کی تیاریاں کر رہی ہے، وہ چپ پیکرِ حرماں بنا ماں کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا۔

حالت زیادہ بگڑی تو شوہر نے شربت انار کا ایک چمچہ حلق میں ڈالنے کی کوشش کی، اس نے شوہر کا ہاتھ پرے ہٹا دیا، اور کہا۔

"رہنے دیجئے۔ اب مجھے آبِ حیات بھی نہیں بچا سکتا!"

پھر اس نے کمزور اور نحیف آواز میں کہا۔

"کیا خان پور سے کوئی اطلاع آئی؟"

شوہر نے جواب میں کہا

"ہاں ——— صفیہ کا تار آیا ہے، وہ آ رہی ہے ———"

"آ رہی ہے، لیکن نہ جانے کب؟"

"بس اب چند منٹ میں پہنچا ہی چاہتی ہے اختر اسے لینے گیا ہے اسٹیشن پہنچ چکا ہوگا؟"

"لیکن کیا جب تک میں زندہ رہوں گی؟"

"خالدہ تم بہت دن زندہ رہو گی!"

دینا کہ اس کی ماں مر چکی ہے، یہ ماں سے محروم ہو چکا ہے!"

"آپا ایسی باتیں نہ کرو، مسعود کو دیکھو وہ رو رہا ہے"

"اس کے آنسو اب تم ہی پونچھ سکتی ہو، وہ اب میرا نہیں تمہارا رہ گیا ہے!"

"آپا میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی، میں تمہیں موت سے چھین لوں گی، تم زندہ رہو گی، مسعود کو تمہاری ضرورت ہے مجھے بھی تمہاری ضرورت ہے!"

"اور موت کو بھی میری ضرورت ہے صفیہ!"

"آپا آج تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم نے تو کبھی دشمن کا دل بھی نہیں دکھایا تھا، پھر آج میرے دل پر کچوکے کیوں لگا رہی ہو؟"

"(انتہائی اضطراب اور بے کلی کے ساتھ) صفیہ لیٰسین پڑھو!"

اور صفیہ سب کچھ بھول کر بے اختیار یاسین شریف پڑھنے لگی، مشکل سے چند آیتیں اس نے پڑھی ہوں گی کہ جان بار خالدہ نے ایک ہچکی لی اور گردن ڈال دی۔

سارے گھر میں کہرام بپا ہو گیا، ساس، نند، شوہر، ملازم، خادمائیں، عزیز، رشتے دار، سب پچھاڑیں کھانے لگے۔

مسعود حیران حیران یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھیں پرنم تھیں، دل تھا کہ امڈا چلا آتا تھا، لیکن وہ ضبط سے کام لے رہا تھا، وہ صورت

احوال کی نوعیت سے اچھی طرح واقف ہونا چاہتا تھا۔

دفعتاً صفیہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اسے کھینچا اور اپنے دھڑکتے ہوئے دل سے چمٹا لیا۔

"میرا بیٹا، میرا بچّہ!"

اور پھر نہ جانے کیوں مسعود اس سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگا!

(۲)

خالدہ کے غم نے صفیہ کو نڈھال کر دیا تھا -

وہ زندہ درگور ہو گئی تھی -

بہنوں میں محبت ہوتی ہے ، لیکن صفیہ اور خالدہ کی محبت تو مثالی تھی ، دونوں ایک دوسرے پر دیوانہ وار فدا تھیں ، صفیہ کی ذرا سی تکلیف خالدہ کے دل کی چبھن بن جاتی تھی ، اور خالدہ کی معمولی سی پریشانی صفیہ کے اختلاجِ قلب کا سبب بن جاتی تھی ، دونوں بہنیں شادی کے بعد الگ الگ شہروں میں جا بسیں لیکن چاہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی یہ یہاں موجود، کبھی وہ وہاں نازل ! -

صفیہ چھوٹی تھی ، اس کی محبت میں کچھ الھڑپن بھی تھا ، کچھ شوخی بھی تھی کچھ بے پروائی بھی تھی ، لیکن دل محبت کا گنجینہ تھا !

خالدہ بڑی تھی ، اس کی طبیعت میں رکھ رکھاؤ تھا ، کچھ بڑے پن کا وقار بھی تھا ، کچھ بزرگانہ شان بھی تھی ، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں مادری شفقت کا رنگ بھی جھلکتا تھا ، صفیہ جس بات پر مچل جائے ، ممکن نہ تھا کہ خالدہ اس کے خلاف کر سکے ۔

کبھی کبھی دونوں بہنیں لڑ بھی پڑتی تھیں ، ایک دوسرے سے روٹھ بھی جاتی تھیں ، لیکن منانے کی ذمہ داری مستقل طور پر خالدہ کے حصے میں آئی تھی ، جب تک دونوں کی شادی نہیں ہوئی تھی ، کھٹ پٹ کے فوراً بعد خالدہ سپر ڈال کر معاملہ ختم کر دیتی تھی ، اور شادی کے بعد جب دونوں الگ الگ شہروں میں جا بسیں تو بھی حالت یہ تھی کہ اگر خالدہ کو شبہ بھی ہو جاتا کہ صفیہ کسی بات پر روٹھی ہوئی ہے تو وہ سفر کی تکلیف جھیل کر اس کے درِ دولت پر پہنچتی تھی ، اور اسے منا کر دم لیتی تھی ۔

صفیہ کو اس بات پر ناز تھا کہ :

" آپا میری خفگی نہیں برداشت کر سکتیں ، ایک منٹ کے لیے بھی نہیں !"

اور خالدہ کو اس پر فخر تھا کہ

" بھئی کچھ ہو ، صفیہ روٹھی اور یاں جان پر بنی ، پھر اس وقت تک چین

نہیں آتا جب تک بی بی تو مسکرا نہ دیں، اور خوش نہ ہو جائیں !"
خالدہ کی اس کمزوری سے صفیہ لطف بھی اٹھاتی تھی اور فائدہ بھی ، !

ایک دفعہ خالدہ نے ایک بڑا قیمتی ہار خریدا اپنے حسنِ انتخاب پر وہ بہت نازاں تھی کہ ایسی چیز تلاش کی ہے جو سارے شہر میں کہیں نہیں مل سکتی، صفیہ کی نظر اس ہار پر، پڑی تو پڑی رہ گئی ، اس نے سوال کیا :-

"آپا یہ کتنے میں خریدا ہے ؟"

"ڈھائی ہزار میں ——— اگر جوہری تین ہزار میں بھی دیتا تو لے لیتی، پھر بھی سستا ہی تھا !"

"اچھا تو تین ہزار ہم سے لے لو ؟"

"یہ کیوں ؟"

"میں خود بہت دنوں سے بالکل ایسے ہی ہار کی تلاش میں تھی !"

"تو دشواری کیا ہے آرڈر دو، اور بنوا لو !"

"نہ جانے کب بنے ؟"

"تو کیا کوئی قیامت میں بنے گا ——— زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس دن میں بن جائے گا !"

" تو تم ہی بنوا لو، پانچسو کا نفع رہے گا، !"

" ہوش کی دوا کرو، میں تم سے نفع لوں گی ؟"

" تو اصل قیمت پر دے دو !"

" کیوں دے دوں اصل قیمت پر ؟"

" اچھا تو پانچسو نفع لے لو !"

" نہ اصل قیمت پر دوں گی، نہ نفع لے کر دوں گی، میرے ساتھ جوہری کے ہاں چلو، ہو بہو ایسا ہی بنا کر دے دیگا - !"

" کیا میرے پاس ہاروں کی کچھ کمی ہے، ایک سے ایک پڑا ہوا ہے !"

" تم ہی کہہ رہی تھیں، !"

" اب تو کچھ نہیں کہتی، کیوں سر کھلئے جا رہی ہو ؟"

" ارے تو کیا خفا ہو گئیں ؟"

" واہ "

یہ کہا، اور روٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی -

خالدہ نے کچھ خیال بھی نہیں کیا، کئی مرتبہ آمنا سامنا ہوا لیکن بات چیت بند، خالدہ نے اگر کوئی بات کی بھی تو اس کا مختصر سا جواب دیا اور چپت !

جب دو دن اسی طرح گزر گئے تو خالدہ سمجھ گئی معاملہ نے سنجیدہ صورت

اختیار کر لی ہے ۔ اس نے ہار کا ڈبہ لیا ، اور اسے اس طرح ہاتھ میں رکھ کر کہ کوئی دیکھ نہ سکے ، صفیہ کے کمرے کا رُخ کیا ، وہ آئینہ کے سامنے کھڑی کہیں باہر جانے کے لیے آرائش میں مصروف تھی ، خالدہ کو آتا دیکھ کر بھی وہ اپنے کام میں مصروف رہی ، خالدہ نے پوچھا ۔

" کہاں جا رہی ہو ؟"

وہ رکھائی سے بولی ۔

" کہیں نہیں ؟"

خالدہ نے سوال کیا ۔

" کیا خفا ہو کچھ ؟"

اس نے بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا ۔

" خفا کیوں ہونے لگی ؟"

خالدہ نے چھیڑا ،

" کیا جوہری کے ہاں گئی تھیں ؟ آرڈر دے آئیں ؟" اس نے جبینِ پُرشکن کے ساتھ کہا ۔

" مجھے کیا ضرورت تھی جوہری کے پاس جانے کی ؟"

" اور وہ ہار ؟"

" کیسا ہار ؟"

"جو تمہیں پسند آیا تھا؟"

"میں نے اسے ناپسند کر دیا؟"

"یہ کیوں؟"

"اپنی مرضی، اپنی رائے!"

"لیکن اگر وہ ہار خود پاؤں چل کر تمہارے پاس آ جائے تو؟"

"کہیں ہار بھی پاؤں پاؤں چلتا ہے؟"

"چلتا کیوں نہیں؟ —— دیکھ لو میرے ساتھ آیا ہے!"

اور پھر قبل اس کے کہ صفیہ کچھ کہے خالدہ نے وہ ہار اس کے گلے میں ڈال دیا، سینہ سے لگایا، پیار کیا، اور کہا -

"یہ تیرے ہی گلے میں زیب دیتا ہے!"

صفیہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔ اس نے ہار اتار کر واپس کرنا چاہا، لیکن خالدہ نے ایسا نہ کرنے دیا۔ اس نے کہا -

"دو دن سے تم خفا ہو، اور میں اپنے آنسو ضبط کر رہی ہوں، اب اگر تم نے واپس کیا، تو بند ٹوٹ جائے گا، اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگوں گی۔!"

یہ کہہ کر اس نے پھر وہ ہار صفیہ کے ہاتھ سے لے کر اس کے گلے میں ڈال دیا، اور گال پر ایک ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا -

"مجھ سے خفا ہوتی ہے؟ کیا میں تیری خفگی برداشت کر سکتی ہوں؟ تو جانتی نہیں میں تجھے کتنا چاہتی ہوں؟"

"خوب جانتی ہوں!" ——— اسی لیے تو خفا ہوئی تھی!"

پھر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی، اور "میری آپا" کہہ کر اس سے لپٹ گئی!

اس طرح کے واقعات اکثر ہُوا کرتے تھے اور جیت ہمیشہ صفیہ ہی کی ہوتی تھی!

اس جیت نے اس میں ایک فاتحانہ شان پیدا کر دی تھی! اسے یقین تھا وہ خالدہ سے ہر کام لے سکتی ہے، ہر بات منوا سکتی ہے، جو چاہے کرا سکتی ہے!

اور واقعہ بھی یہی تھا!

خالدہ ساری دُنیا کے خلاف جا سکتی تھی، لیکن صفیہ کے خلاف نہیں ——— کبھی نہیں، کسی قیمت پر نہیں۔

لیکن اب یہ باتیں خواب و خیال ہو چکی تھیں، خالدہ کی موت نے دُنیا ہی بدل دی تھی، اس کی زندگی میں بھی صفیہ اسے چاہتی تھی، اور بہت زیادہ چاہتی تھی لیکن یہ اب اسے معلوم ہُوا کہ کتنا زیادہ چاہتی تھی؟ ہر دم اسی کی یاد، ہر وقت اسی کا ذکر، اس کی کوئی تحریر

نظر آگئی، تو آنکھوں سے لگا رہی ہے۔ اس کا کوئی کپڑا ہاتھ آ گیا، تو کلیجہ سے لگائے ہوئے ہے، اور آنکھوں سے تراوش خونِ جگر ہو رہی ہے۔

اور مسعود تو اس کی زندگی بن گیا تھا!

ایک پل کے لیے بھی اسے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی، "کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو جائے!"

(۳)

صفیہ کا ارادہ تھا کہ احمد نگر میں اس وقت تک قیام کرے گی جب تک خالدہ کا چہلم نہیں ہو جاتا اور اس ارادے پر اس نے عمل بھی کیا۔

لیکن چند ہی روز کے بعد اس کی طبیعت اُبال کھانے لگی!

اس گھر میں رہنا دوبھر ہو گیا، !

جس گھر میں اس کی بہن نے دس سال انتہائی شرافت، وفاداری اور سبھاؤ سے گزارے تھے۔ چند ہی دن کے بعد اس کے جانشین کی تلاش شروع ہو گئی!

خالدہ کے ذکر پر ہائے وائے اب بھی ہوتی تھی۔
اس کی خوبیوں اور نیکیوں کے ترانے اب بھی گائے جاتے تھے!
لیکن اس کے ساتھ عہدِ وفا نباہنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ تھا!
شوہر تک نہیں..!

صرف آٹھ دس روز کی قلیل مدت میں گھر کی فضا بدل گئی۔

خالدہ کی سسرال کے جو قریبی عزیز تعزیت اور ماتم پرسی کے لیے آئے تھے ان میں ایک امجدی بیگم بھی تھیں، اور ان کے ساتھ ان کی دخترِ بلند اختر ارجمند بانو بھی تھیں

ارجمند کی عمر ۲۰، ۲۱ کی ہو گی، صورت شکل کے اعتبار سے اپنے خاندان میں یکتا، اگرچہ خالدہ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہ تھیں، پڑھی لکھی بھی تھیں، آداب مجلس سے بھی واقف تھیں اور عیش و عشرت کے ساتھ زندہ رہنے کی امنگ سے بھی بھرپور تھیں، یہ شاندار گھر انہیں اپنے حوصلوں کے بالکل کافی نظر آیا، ماں نے بھی حوصلہ افزائی کی۔
انور میاں کو بھی بیوی کا غم بھلانے والا ذریعہ یہ نظر آیا کہ ارجمند سے ربط ضبط بڑھائیں اور اس کی بذلہ سنجیوں اور حاضر جوابیوں سے لطف اندوز ہوں، ماں نے بھی سوچا اگر بیٹے کی مرضی ہے تو اس سے اچھی بہو کہاں ملے گی؟ ایک ہڈی، ایک خون، تعلیم میں برتر، صورت شکل کے اعتبار

سے فرد، عادات و اطوار میں کسی حد تک چھچھورا پن سہی لیکن گوارا،
بہن نے تو فیصلہ کر دیا کہ چہلم کے بعد نکاح ہو جانا چاہیئے، امجدی بیگم سے

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔
"میں تو ہمیشہ سے انور کو اپنا لڑکا سمجھتی ہوں، اور کیا ارجمند
تمھاری لڑکی نہیں ہے! کہنے کو ماں میں ہوں، لیکن سچ پوچھو تو ماں
تمہی کو سمجھتی ہے، ابھی کل کی بات ہے میں نے کہا۔
"بیٹی وہ سبز ساڑھی جو اتنے چاؤ سے تو نے خریدی تھی کیوں

نہیں پہنتی!"
تو کہتی کیا ہے،
"رشائیے بھی اسے ——— اماں کو یعنی مجھ اماں کو نہیں
تم اماں کو، گلابی رنگ پسند ہے!"
یہ کہہ کر گلابی رنگ کی ساڑھی نکال لی، میں نے لاکھ لاکھ کہا،
مگر اس نے تو جیسے میری بات نہ ماننے کی قسم کھائی تھی!"
یہ سن کر انور میاں کی ماں نے پوپلے منہ سے ایک قہقہہ لگایا،

اور فرمایا:
"میں جانتی ہوں، میرا کتنا خیال کرتی ہے، میرے کھانے، وضو
کرنے، نماز پڑھنے، بستر کرنے کا نوکر ہوئے تو کیا خیال کریں گے، خود

صاحبزادی کوئی فکر نہیں کرتیں لیکن ارجمند نے بے کہے سُنے سارا بار اپنے اوپر لے لیا ہے، میرے لیے پرہیزی کھانا خود پکاتی ہے، وضو کا پانی گرم کرتی ہے، مصلّےٰ بچھاتی ہے۔ سونے کا وقت آتا ہے تو میرا بستر ٹھیک کر دیتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خدا نے اسے صرف میرے لیے بنایا ہے!

امجدی خانم نے بے چھالیہ کا پان بے دانت کی داڑھ سے چباتے ہوئے کہا۔

"تمھارا تو اتنا خیال، اور میری پلٹ کر خبر بھی نہیں لیتی، !"

"واقعی ——— ؟"

"ہاں اور نہیں تو کیا ——— ابھی کل رات کا واقعہ ہے میں نے کہا۔

"بیٹی بڑی سردی لگ رہی ہے، کلیجہ کانپا جا رہا ہے، ذرا ایک پیالی گرما گرم چائے۔"

بس میں اتنا کہہ پائی تھی کہ صاحبزادی فرماتی کیا ہیں!

"تمھیں بھی کس وقت چائے کی سوجھی ہے، اماں وضو کے لیے بیٹھی ہونگی، پانی گرم کر کے بس ادھر جا رہی ہوں؟"

اے بہن میں تو منہ دیکھتی رہ گئی کیا زمانہ آگیا ہے کہ خون سفید ہوگیا ہے، اور صاحبزادی پانی کھولا کر، لوٹے میں بھر یہ جا وہ جا، میں کہتی رہوں

اسی پانی میں تھوڑا اور ڈوال دیا ہوتا تو چائے بن جاتی !"

"تو آپ کو چائے نہیں ملی ؟"

"ملی کیا خاک ! ——— ارجمند بانو کو فرصت کب تھی، وہ تو اپنی نئی اماں کو وضو کرانے تشریف لے گئی تھیں !"

اتنے میں ارجمند ادھر سے گزری، اختری خانم نے کہا -

"کیوں بیٹی ——— ؟"

وہ بولی ،

"جی ——— فرمائیے !"

"یہ میں کیا سُن رہی ہوں ؟"

"کیا بات ہے اماں جی ؟"

"رات تم نے اپنی ماں کو چائے نہیں پلائی، حالانکہ انھیں سردی لگ رہی تھی !"

"اور آپ نہیں سردی میں بیٹھی وضو کے پانی کا انتظار کر رہی تھیں ؟"

"تو بیٹی مجھے کچھ دیر بعد دے دیتیں !"

"کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، (اختری خانم کے بھاری بھرکم جسم کی طرف اشارہ کرکے) اتنی تو کمزور ہیں آپ، اگر خدانخواستہ سردی

لگ جاتی تو کیا ہوتا ؟"

ارجمند بانو کی اصلی ماں امجدی بیگم نے کہا ۔

"سُن لیا بہن تم نے ؟ جی چاہتا ہے اس نمک حرام کو عاق کر دوں ؟"

وہ بے پروائی سے بولی ۔

"کر دو ——"

اختری خانم ، یعنی انور کی والدہ نے ماں بیٹی میں بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا ۔

"نہیں بیٹی ماں کی خدمت فرض ہے !"

جواب میں ارجمند کچھ کہنے کو تھی ، شاید یہ کہنے کو تھی کہ ماں تو آپ ہیں ، انھوں نے تو صرف مجھے پالا ہے کہ انور میاں کی آواز آئی ۔

"کیا آج کھانا نہیں ملے گا ؟"

اختری خانم نے ارجمند کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ اور کہا ۔

"بیٹی ، باورچی خانہ تو اب تیرے ہی حوالے ہے جو کچھ پکا ہو بھیج دے !"

نشاط انور کی بہن نے مزے لیتے ہوئے ماں سے کہا ۔

"آپ کو بسنت کی کچھ خبر ہی نہیں؟"

امجدی بیگم نے دخل درمعقولات کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا ہوا بیٹی؟"

نشاط مسکراتی ہوئی بولی۔

"آج تو جو کھانا کھائے گا انگلیاں چاٹے گا!"

اختری خانم نے پوچھا۔

"یہ کیوں؟"

نشاط بولی۔

"آج ارجمند نے اپنے ہاتھ سے کئی چیزیں پکائی ہیں، اور جو چیز پکائی ہے اتنے مزے کی ہے، اتنے مزے کی ہے کہ بس کیا کہوں؟"

پھر وہ ارجمند سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"مرد اچھے کھانے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں بھیا آج ڈٹ کے کھائیں گے، تھوڑا سا چورن بھی اپنے ساتھ لیتی جانا۔!"

ارجمند اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"خوب مذاق اڑا لو، ہم نہیں جلتے!"

نشاط نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"قسم لے لو، جو میں نے مذاق اڑایا ہو، واقعی تم نے اتنے مزے

کا کھانا پکایا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی !"

اتنے میں انور کے کمرے سے پھر ایک پُر کشش نعرہ بلند ہوا ۔

" بھوک ــــــــ"

ارجمند اٹھلاتی ہوئی اُٹھی اور

" اونہہ "

کہہ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی ، اختری خانم نے اسے جاتا ہوا دیکھ کر کہا ۔

" جی چاہتا ہے اسے کلیجہ میں رکھ لوں ، اتنی پیاری لڑکی ہے کہ ــــــــ"

نشاط نے دخل درمعقولات کرتے ہوئے کہا ۔

" تو پھر رکھ لیجئے نا ، !"

پھر وہ امجدی بیگم سے مخاطب ہوئی ۔

" کیوں خالہ اگر اماں جی ارجمند کو کلیجہ میں رکھ لیں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا !"

اندھا کیا چاہے ؟ دو آنکھیں ! وہ مستعدی اور آمادگی کے ساتھ بولیں ۔

" بیٹی میں نے کہہ تو دیا ، جب سے اس نے اس گھر میں قدم رکھا

ہے، اس کے طور بے طور ہو گئے ہیں، وہ میری نہیں رہی، نہ جانے
اختری بہن کو، کون سا جادو آتا ہے کہ میری نازوں کی پلی لونڈیا کو
اپنی باندی بنا لیا ہے۔

یہ کہتے کہتے ان کی آواز بھرا گئی۔

نشاط نے دل دہی کے لہجہ میں کہا۔

" خالہ جان آپ تو خفا ہیں کچھ؟"

وہ بولیں۔

" خفا کس سے ہوں گی؟ اگر ہوں بھی تو اپنے مقدر سے!"

" واہ خالہ جان، اتنی اچھی، گنوں کی پوری، ہنر مند، سلیقہ شعار،
باادب، اور پیاری لڑکی کی ماں ہو کر بھی آپ مقدر سے شکوہ سنج ہیں؟
یہ باتیں اللہ میاں کو بری لگتی ہیں"

امجدی بیگم کچھ گھبرا سی گئیں کچھ سوچتی ہوئی بولیں۔

" تو میں نے کون سی بات کہہ دی بیٹی؟"

نشاط نے کہا۔

" مقدر کا شکوہ نہ کریں اس پر فخر کریں، کاش میں ارجمند ہوتی،
پھر آپ دیکھتیں میری امی کی خوشی!"

امجدی بیگم نے پیار بھری نظروں سے اس شریر لڑکی کو دیکھا

اور کہا ۔

" تو کیا تو کچھ ارجمند سے کم ہے ؟"

وہ بولی ۔

" کم ؟ —— میں تو اس کی جوتی کی نوک کے برابر بھی نہیں ہوں !"

امجدی بیگم نے اسے گھسیٹ کر سینے سے لگا لیا ، اور کہا ۔

" ایسی باتیں نہیں کرتے !"

وہ کہنے لگی ۔

" اگر آپ میری بات کا اعتبار نہیں کرتیں ، اماں جی سے پوچھ لیں !"

" اے چل ہٹ ، ان سے کیا پوچھوں ؟"

" یہی کہ میں اچھی ہوں ، یا آپ کی ارجمند ، !"

اختری خانم نے نہایت وقار کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں کہا ۔

" ارجمند ——"

امجدی بیگم گویا ہوئیں ۔

" دیکھو بہن پھر ہماری تمھاری لڑائی ہو جائے گی ، ہاں !"

وہ بولیں ۔

" چاہے لڑائی ہو یا ملاپ ، مگر بہن بات ایمان کی کہوں گی !"

"یہ تم ایمان کی کہہ رہی ہو؟"

"اور نہیں تو کیا ——— کہاں ارجمند، کہاں نشاط؟ وہ مہمان ہے لیکن سارا گھر سنبھالے ہوئے، مجھے انگلی ہلانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، مشین کی طرح سارے کام وقت پر ہو جاتے ہیں!"

"یہ اس کا فرض ہے۔!"

"اور ان کا (نشاط کی طرف اشارہ کر کے) کچھ فرض نہیں ہے؟"

"جب ارجمند نہیں تھی تو نشاط ہی تو سارے گھر کا بار اٹھائے ہوئے تھی، اب ایک ساتھی مل گیا ہے تو ذرا سستا رہی ہے!"

"بہن تمہاری بھی باتیں ——— ارجمند جب تک نہیں آئی تھی اس گھر کی کوئی کل ہی سیدھی نہیں تھی،!"

"اے تو کیا نشاط میری بیٹی کچھ کرتی ہی نہیں تھی؟"

"خاک کرتی تھی ——— بس اس کی کسر تھی کہ نوالے بنا بنا کر صاحبزادی کو کھلاؤں، دن بھرا بنڈتی پھرتی تھیں سارے کام مجھی کو کرنا پڑتے تھے ———"

قطع کلام کرتی ہوئی نشاط بولی۔

"سن لیا خالہ جان آپ نے میرا نامۂ اعمال!"

وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔

"ہاں سن لیا!"

نشاط نے پوچھا -

"پھر اب کیا رائے ہے اس خاکسار کے بارے میں آپ کی؟"

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئیں -

"نو، تو ہی ہے!"

اختری خانم نے منہ بنا کر کہا -

"آپ اور خوب بگاڑ دیجئے اسے!"

وہ اسے ایک مرتبہ پھر اپنے سینے سے لگا کر بولیں -

"بہو، لڑکی پرایا دھن ہوتا ہے، یہ سارے چونچلے اسی گھر تک ہیں، جب بیاہ کر سسرال جائے گی خود ہی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لینا پڑیں گی، یہاں تو غریب کو سکھ سے رہنے دو!"

اب گفتگو نے اور سنجیدہ پہلو اختیار کر لیا تھا اس لیے نشاط نے خاموشی اختیار کر لی -

یہ اور اس طرح کی ساری باتیں صفیہ کی موجودگی میں بے محابا، اور بے جھجک ہو رہی تھیں، ان میں اس نے کوئی حصّہ نہیں لیا، ایک خاموش تماشائی کی طرح یہ مناظر دیکھتی رہی، لیکن قضا کیا ہے؟ اور پیش کیا آنے والا ہے اور اس مستقبل میں مسعود کی پوزیشن کیا ہے اسے

وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی ۔

اتنے میں برتنوں کی جھنکار سنائی دی، صفیہ نے دیکھا کھانے کا خوان ملازمہ کے سر پر رکھوا کر ارجمند، انور کے کمرے کی طرف جا رہی ہے،!

(۴)

انور کھانا کھا چکا تو ارجمند نے کہا۔

"بس ؟ ———

انور نے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا،

" ہاں بھئی بہت کھا لیا آج، نہ جانے کونسا واجد علی شاہی باورچی آگھسا ہے اس گھر میں، وہ تو اپنی بانگی دکھا کر چلتا ہو گا اور یہاں ——

" یہاں کیا ہو گا ؟"

" بے رمضان کے روزے رکھنا پڑیں گے !"

" واقعی آپ بھائی بہن کو باتیں بنانا خوب آتی ہیں !"

"کیا نشاط بھی کچھ کہہ رہی تھی ؟"

"جی ہاں وہی جو آپ فرما رہے ہیں !"

"سمجھ میں نہیں آتا، میں نے یا نشاط نے اگر نئے رکاب دار کی اتنی تعریف کر دی تو تمہیں اعتراض کیوں ہوا؟ ——— اور اگر یہی ہے تو اس سے اچھا پکا کر دکھاؤ ، مان لیں گے ؟"

"مجھے تو گھر میں نہ کوئی باورچی نظر آتا ہے نہ رکابدار !"

"تو یہ من و سلویٰ کیا واقعی آسمان سے اتر رہا ہے ؟"

"بنا لیجئے آپ بھی خوب !"

"یعنی ؟ ——— میرا مطلب ہے کہ ——— یعنی کیا تم پکا رہی ہو آج کل ؟"

"اتنا بدمزہ کھانا میرے سوا بھلا اور کون پکا سکتا ہے ؟"

"رہنے بھی دو ، ہم سے تو قسم لے لو جو آج تک ایسا کھانا نصیب ہوا ہو ، !"

"ہاں اتنا روکھا پھیکا ، !"

"جی نہیں اتنا لذیذ !" ——— کمال ہے یعنی تم تو چھپی رستم نکلیں !"

"بس ختم ہو گیا آپ کا قصیدہ ؟"

"توبہ کرو، یہ سلسلہ ہفتوں، مہینوں، بلکہ سالوں جاری رہ سکتا ہے!"

"بہت بڑے شاعر ہیں پھر تو آپ!"

"اگر خوبی قسمت سے تم کچھ روز اور رہ گئیں ہمارے ہاں تو واقعی بہت بڑا شاعر بننے میں مجھے دیر نہیں لگے گی!"

"یہ کیوں بھلا؟"

"تمہیں دیکھ کر خود بخود شعر موزوں ہونے لگتے ہیں!"

ارجمند کچھ جھینپ سی گئی، اس کے گال سُرخ ہو گئے، بالوں کی لٹیں چہرے پر سے ہٹاتی ہوئی بولی۔

"اپنے اس کمال سے میں خود بے خبر تھی اب تک"

"ارجمند واقعہ تو یہ ہے کہ تم خود ایک شعر ہو، ایک مرصع غزل!"

بظاہر وہ کچھ خفا ہوتی ہوئی گویا ہوئی۔

"پھر میں بھی کہہ دوں گی کچھ، !"

انور نے جیسے اسے چھیڑتے ہوئے جواب میں کہا۔

"تو پھر انتظار کیا ہے؟ کہو!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"اچھا جائیے معاف کیا!"

انور ہنسنے لگا، اس نے کہا۔

"کیا میں نے کوئی خطا کی تھی؟"

زیرِ لب تبسم کے ساتھ وہ بولی۔

"خطا تو میں کر رہی ہوں جو کھانا پکا کر گنہگار بن گئی!"

"خطا ہے ——— یہ تو احسان ہے تمہارا!"

"پھر شروع ہو گئیں وہی گھسی پٹی باتیں!"

"اچھا تو اب نئی تازہ اور شگفتہ باتیں شروع کرو!"

وہ ایک ادائے دلبری کے ساتھ کہنے لگی،

"اب مجھے جانا چاہیئے!"

انور نے اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی سے؟ ذرا دیر تو بیٹھو نا!"

جماہی لیتے ہوئے اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"اب نیند آ رہی ہے ——— اور ابھی کام بھی باقی ہے!"

انور نے سوال کیا۔

"نیند آ رہی ہے یہاں تک تو خیر ٹھیک ہے لیکن کام کیا باقی ہے؟"

"اماں جی کے لیے وضو کا پانی گرم کرنا ہے، اتنے میں وہ نماز پڑھیں گی

میں بستر ٹھیک کر دوں گی، پھر چاروں طرف سے لحاف اڑھا کر ان کے

پاؤں دباؤں گی جب بے خبر سو جائینگی تب وبے پاؤں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤں گی۔!"

انور نے متحیّر ہو کر ارجمند کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا تمہارا اور امجدی خالہ کا کمرہ الگ الگ ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"ایک ہی ہے" ———

"پھر وضو کرا کے، لحاف اڑھا کے، پاؤں دبا کے، دبے پاؤں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہنے کا کیا مطلب؟"

"اوہنہ، (ایک ادا کے ساتھ) نہیں تو میں امّی جان کہتی ہوں!"

"امجدی خالہ کو نا؟"

"ہاں" ———

"اور اماں جی کسے کہتی ہو؟"

"(مسکراتے ہوئے) جو آپ کی امّاں جی ہیں" ———

"(تیوری چڑھا کر) یہ تو بہت غلط بات ہے؟"

"(سہمے ہوئے انداز میں) کیا ہوا؟"

"تمھیں اتنا کام نہیں کرنا چاہیئے، کیا تم نوکر ہو کسی کی؟ یہ غلط بات ہے، میں امّاں جی سے کہوں گا"

" (سہم کر) خدا کے لیے ایسا غضب نہ کر دیجئے گا کہیں "

" ضرور کہوں گا، یہ کیا مذاق ہے؟ آخر نشاط کس مرض کی دوا ہے؟"

" اوہ آپ تو سمجھتے ہی نہیں، سنیئے تو سہی!"

" سن رہا ہوں"——

" ان کاموں کا مجھے کسی نے حکم تھوڑی دیا ہے، اپنی خوشی سے کرتی ہوں!"

" اپنی خوشی سے کیوں؟"

" بزرگوں کی خدمت کرنا سعادت ہے!"

" اور پھر ان کا برتاؤ بھی تو میرے ساتھ ماں جیسا ہے:—میرے لیے نشاط تک کو تو ڈانٹ دیتی ہیں"۔

" (مسکراتے ہوئے) کہیں نشاط کے بعد میری باری نہ آجائے!"

(زیرِ لب تبسم کے ساتھ) "اس روز تو میں بہت خوش ہوں گی!——خدا کی قسم بڑا مزہ آئے گا، کتنا جی چاہتا ہے کہ آپ پر ڈانٹ پڑتے دیکھوں!"

" پٹتے دیکھنے کا جی نہیں چاہتا؟"

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے!

(۵)

قہقہوں کے اس ترنم میں یکایک نشاط آگئی - !

نشاط کو دیکھ کر انور نے کہا -

" خوب آئیں تمھاری کمی بڑی طرح محسوس ہو رہی تھی !"

وہ متحیر سی ہو کر بولی -

" زہے قسمت کہ میری یاد آرہی تھی، لیکن صرف آپ کو یا ارجمند کو بھی ؟"

انور نے ارجمند سے کہا -

" جواب دو" ————

وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔

"دونوں کو"ــــــ

وہ اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی ۔

"اچھا تو اب وہ کمی پوری ہو گئی ، بندی حاضر ہے !"

ارجمند نے دل آویز تبسم کے ساتھ چھیڑتے ہوئے کہا ۔

"ایک بندی حاضر ، دوسری غائب ، میں تو چلی !"

نشاط نے اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا ۔

"اتنی سستی نہیں چھوٹ سکتیں !"

پھر وہ انور سے مخاطب ہوئی ۔

"بھیا یہ ارجمند بڑی خراب لڑکی ہے !"

ارجمند کا منہ اتر گیا ، وہ کچھ گھبرا سی گئی ، انور نے کچھ چکراتے ہوئے پوچھا ۔

"یہ کیسے بھئی"ــــــ

نشاط نے کہا ۔

"اس نے امی کو میرے خلاف کر دیا ہے ، مجھے تو ایک ایک منہ ہیں ، جب سے یہ آئی ہے صلواتیں سناتی ہیں ، اور اس کی شان میں قصیدے پڑھا کرتی ہیں ، میری ارجمند ایسی ، میری ارجمند ویسی ، گویا ہم کچھ

نہ ہوئی، جو کچھ ہے بس یہی ہے - اپنی اتنی مسلسل توہین میں نہیں برداشت کر سکتی !"

انور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا -

" بتاؤ ارجمند اب کیا کہتی ہو ؟"

وہ بے پروائی کے ساتھ بولی -

" جو جیسا ہوگا ویسا کہا جائے گا !"

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نشاط نے سوال کیا -

" کیوں جی ہم کیسے ہیں ؟"

ارجمند نے جواب دیا -

" نور علیٰ نور، چندے آفتاب چندے ماہتاب !"

تالی بجا کر ہنستے ہوئے نشاط نے کہا -

" ڈر گئی، بزدل کہیں کی !"

ارجمند نے جواب دیتے ہوئے کہا -

" تو سچی بات کہنا بزدلی ہے، کیوں جی یہ ہے تمہارا انصاف ؟"

اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے نشاط بولی -

" دیکھو جی کان کھول کر سن لو، اب اگر میری امی نے تمہاری تعریف اور میری برائی کی، تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، ؟"

انور نے برجستہ کہا ۔

" یہ تو ہم مانتے ہیں تم سے بُرا کوئی نہیں ہے !"

نشاط چڑتی ہوئی بولی ۔

" اوہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے!"

پھر وہ ارجمند سے مخاطب ہوتی ہوئی کہنے لگی ۔

" دیکھ لینا میں بھی کیسے گن گن کے بدلے لیتی ہوں ، !"

انور نے پوچھا ۔

" کیا کرو گی ؟"

وہ بولی ۔

" امجدی خالہ کو خدا خوش رکھے ، سارے گھر میں بس وہ ہیں ، جنھوں نے مجھے پہچانا ہے اور ہر وقت میری تعریف میں رطب اللسان رہتی ہیں ، میں اگر سفید کو سیاہ کہدوں تو مان لیں گی ، اور سیاہ کو سفید کہدوں تو ماننے میں کوئی تامّل نہیں کریں گی !"

کچھ سوچتے ہوئے انور نے پوچھا ۔

" تو کیا انہیں ارجمند کے خلاف بھڑکانے کا پروگرام ہے ؟

نہایت اطمینان کے ساتھ اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے کہا ۔

" جی ، خوب سمجھے آپ ، خاکسار کا یہی پروگرام ہے - اور باد رکھیے

بیہ پٹ نہیں پڑے گا ۔"

انور نے بظاہر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ۔

" اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ تم بڑی فتنہ طراز ہو !"

بڑی معصومیت کے ساتھ اس نے جواب میں کہا ۔

" جیسے کو تیسا ۔"

اور پھر ارجمند کے مُنہ کے پاس مُنہ لے جا کر غور سے اسے دیکھا اور زور سے ہنس پڑی ، اور کہنے لگی ۔

" اب مزہ آئے گا !"

انور نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اسے گھورا ، اور کہنے لگا ۔

" لیکن ایک بات پر کیا تم نے غور کیا ہے نشاط ؟"

وہ ہمہ تن سوال بن کر بولی ۔

" فرمائیے کیا بات ہے وہ ؟

انور نے کہا ۔

" اگر تم نے ارجمند کو خفا کر دیا تو یہ مزے مزے کے کھانے تو گئے جنھیں کھا کھا کر چند ہی روز میں خاصی موٹی ہو گئی ہو ؟"

وہ خفا ہوتی ہوئی بولی ۔

" نظر نہ لگائیے بھیّا ! ـــــــ امجدی خالہ تو کہہ رہی تھیں اس

لڑکی کی ہڈی پر بوٹی چڑھتی نہیں، اور آپ کہہ رہے ہیں موٹی ہوئی جا رہی ہوں !"

"اچھا بھئی ہم اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں لیکن ایک کام تم بھی کرو !"

"یہی کہ ارجمند کو معاف کر دوں، اس سے بدلہ نہ لوں"؟

"ہاں یہی" ——

"جی نہیں یہ نہیں ہو سکتا، میں تو گن گن کے بدلے لوں گی اس سے آج اس کی وجہ سے۔ امی جان نے ایسی جلی کٹی سنائی ہیں کہ ساری زندگی نہیں بھول سکتی !"

اتنے میں اختری بیگم کی آواز آئی ۔

"بیٹی ارجمند" ——

اور ارجمند یہ کہہ کر کہ

"ہائے اللہ وضو کا پانی تو گرم ہی نہیں کیا، خدا بچائے اس نشاط سے"۔ بجلی کی سی تیزی سے چلی گئی !

(۶)

ارجمند کے جانے کے بعد، نشاط نے انور سے سوال کیا۔

"بھیّا ایک بات تو بتائیے!"

انور نے پوچھا کچھ نہیں، بہن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا وہ بولی۔

"سچ کہیئے گا ارجمند کے بارے میں کیا رائے ہے آپ کی؟"

"اچھی رائے ہے کیوں؟"

"بتائیے تو سہی!"

"بتا تو دیا، !"

"یوں نہیں" ——

"پھر کس طرح ؟"

"اس کی صورت کیسی ہے ؟"

"اچھی" ——

"اور عادتیں ؟"

"انہیں بھی اچھا ہونا چاہیئے !"

"اور گُن ؟ سبھاؤ ؟ سلیقہ !"

"ہاں یہ سب چیزیں بھی ہیں"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پسند ہے آپ کو !"

"صرف مجھی کو ؟ تمھیں نہیں ؟"

"مجھے تو بہت زیادہ پسند ہے ، اتنی زیادہ پسند ہے کہ بس کیا کہوں !"

"لیکن یہ سوال آیا کیوں اس وقت تمھاری زبان پر ؟"

"بس آگیا !"

"کوئی وجہ بھی تو ہو گی ؟"

"اچھا اب زیادہ نہ بنیئے ——

یہ کہہ کر وہ ہنس دی ، انور بھی مسکرانے لگا ، اس نے پوچھا ۔

"شاید یہ باتیں دریافت کرنے کے لیے تمہیں امی جان نے بھیجا ہے؟"

"یوں ہی سمجھ لیجیے! ——— آپ کو اعتراض تو نہیں ہے کچھ؟"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا، اور خاموشی کے ساتھ ٹہلنے لگا!

نشاط کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس نے کہا۔

"بھیا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ ساری عمر یوں ہی بیٹھے رہیں!"

انور نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ظاہر ہے ———"

وہ کہنے لگی، "ہمیں بھاوج لانا ہے چاہے آج یا کل!"

"تمہیں تو یہی سوجھتی ہے!"

"اچھے رشتے قسمت سے ملتے ہیں!"

"تو تمہارے خیال میں یہ ایسا رشتہ ہے جو قسمت سے مل رہا ہے؟"

"جی بے شک!"

"میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔"

"دیکھیے بھیا، خالدہ بھابی کھاتے پیتے گھرانے کی تھیں، خوبیوں اور نیکیوں کا مجموعہ تھیں، لیکن ہم ان کے مقابلے میں غریب تھے۔ ہر معاملے میں انہی کی بات اونچی رہتی تھی!"

"ٹھیک ہے، مگر اس سے مطلب؟"

"اس کے برعکس ارجمند، ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہے، ہمارے رہن سہن، معاشرت، دولت، اور وضع و طریق سے مرعوب ہے!"

"تو ——————؟"

"وہ یہاں جھک کر رہے گی، معاملات میں بات ہماری بالا رہے گی اس کی نہیں!"

جواب میں انور کچھ کہنے والا تھا کہ نشاط بول پڑی —

"ویسے بھی دیکھئے، ارجمند صورت شکل کے اعتبار سے اگر خالدہ بھابی سے اچھی نہیں تو بُری بھی نہیں ہے!"

"میں کب کہتا ہوں"

"سلیقے کا جہاں تک تعلق ہے، سارے گھریلو کام آتے ہیں اسے!"

"ضرور آتے ہوں گے!"

"محنتی اتنی ہے کہ صبح منہ اندھیرے اٹھتی ہے، اور رات کو جب تک امّی جان سو نہیں جاتیں کام کرتی رہتی ہے!"

"ہاں یہ بات بھی ہے"

"اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امّی جان کی دل و جان سے خدمت کرتی ہے!"

"ابھی وضو کے لیے پانی گرم کرنے گئی ہے!"

" اور ان سب باتوں سے بالا یہ بات کہ ہم لوگوں میں اس طرح گھل مِل گئی ہے جیسے ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہی ہے۔!"

" خلوص تو اس میں بہت ہے!"

" بہت زیادہ ——— آپ کا تو اتنا خیال رکھتی ہے کہ کیا کوئی رکھے گا!"

" ہاں میں جانتا ہوں!"

" خدا بخشے بھابی مرحومہ، تھیں تو بڑی خوبیوں کی بی بی، لیکن ہمیشہ اپنے آپ کو لیے دیئے رکھتی تھیں، نہ مجھ سے کبھی کھلیں، نہ امی جان کی کوئی خاص خدمت کی، اُلٹے، دو دو ملازم ان کی خدمت کو موجود رہتے تھے!"

" لیکن خالدہ کی زندگی اسی ماحول میں گزری تھی، شادی سے پہلے اپنے گھر پر بھی وہ اس شان اور ٹھاٹھ سے رہتی تھی، یہاں آ کر تو بیچاری کو اپنے معیار سے کچھ نیچے ہی اُترنا پڑا، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ نہ اس نے کبھی شکایت کی، نہ یہ محسوس ہونے دیا کہ وہ اپنے معیار سے پست زندگی گزار رہی ہے!"

" جی ہاں یہ تو ٹھیک ہے، اس لیے بڑی اچھی طرح ان سے نبھ گئی!"

" بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس نے اپنے میکے سے روپے لا لا کر خرچ کیے ہیں، اور ہماری مشکلیں آسان کی ہیں، مگر کیا مجال ہے جو کبھی احسان جتایا ہو،

یا کوئی ایسی بات کی ہو جس سے اپنے بالا ہونے کا اظہار مقصود ہو!"

"یہ بھی ٹھیک ہے بھیا!"

"یہ باتیں مجھے یاد آتی رہتی ہیں!"

"ہمیشہ یاد آئیں گی، زندگی بھر یاد آئیں گی، انھیں بھلایا نہیں جا سکتا!"

"کبھی نہیں!"

"لیکن ——————"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں، یہ گھر سونا نہیں رہ سکتا، اسے آباد کرنا پڑے گا، خالدہ کی جگہ خالی نہیں رہ سکتی، اس پر کسی اور کو قبضہ کرنا پڑے گا! دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہو گا۔!"

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں بھیا!"

"لیکن ابھی خالدہ کو مرے ہوئے کچھ زیادہ دن تو ہوئے نہیں!"

"امی جان چاہتی ہیں کہ بھاوج مرحومہ کے چالیسویں کے چند روز بعد سادگی سے یہ کام انجام پا جائے۔"

"یہ کام بھی ہو رہے گا چالیسواں تو ہونے دو!"

(۷)

خالدہ کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی تھی، جو زیادہ دولتمند تو نہ تھا لیکن ہڈی اور خون کے اعتبار سے کھرا تھا - اور شوہر اگر زیادہ مالدار نہیں تھا تو کیا ہوا، خالدہ تو امیر تھی، اسے ترکے میں خاصی جائداد ملنے کی توقع تھی، اور زرنقد مزید!

صفیہ کی شادی اقبال حسین بیرسٹر سے ہوئی تھی -

جب شادی ہوئی تھی تو بیرسٹری برائے نام تھی، لیکن شادی کے بعد تو ہن برسنے لگا، بہت جلد اقبال صاحب شہر کے چوٹی کے بیرسٹروں میں شمار ہونے لگے -

دونوں بہنیں سُکھ اور چین کی زندگی بسر کر رہی تھیں، خالدہ اپنے سُسرال میں خوش تھی، اور صفیہ اپنے ہاں، صفیہ اور خالدہ کے والد اشرف صاحب وقتاً فوقتاً بیٹیوں کو بہت کچھ دیتے رہتے تھے۔ اولادِ نرینہ سے محروم تھے، بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، یہی دو لڑکیاں تھیں، جو ان کی زندگی کا آسرا تھیں، ان کے معمولات بھی عجیب تھے، خود کبھی کسی بیٹی کے ہاں نہیں گئے، لیکن ہر بیٹی کو سال میں تین مہینے اپنے ہاں مہمان رکھتے تھے اور اسے مالا مال کر دیتے تھے۔

لیکن خالدہ کے انتقال کے وقت عجیب صورتِ حالات پیش آئی۔ خالدہ مرگئی، لیکن اشرف میاں زندہ تھے، گو مفلوج تھے اور لب گور تھے، اور کسی دن بھی اس دُنیا سے کوچ کر سکتے تھے، لیکن ابھی سانس لے رہے تھے، خالدہ کا ان کی زندگی میں انتقال ہوا تھا، اس اعتبار سے مسعود محروم الارث ہو گیا تھا، یعنی اب ننہال کی زرخیز جائداد سے اسے ایک حبہ بھی نہیں مل سکتا تھا، ساری جائداد اب صرف صفیہ ہی کے حصّے میں آنے والی تھی!

مسعود کے باپ، دادی اور پھوپھی کو یہ حقیقت معلوم تھی، وہ اس سے بالکل مایوس ہو چکے تھے کہ مسعود ننہال کی دولت فراوان

سے مالامال ہوسکتا ہے، اب تو اسے اس گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا ہے، اسی ماحول میں رہنا ہے، اور وہی زندگی بسر کرنی ہے جو باپ دادا کی تھی۔

صفیہ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سب کچھ جو خالدہ کی زندگی میں مسعود کو مل سکتا تھا اسے دے دیگی!

مسعود کو دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو روتے لگتا تھا!

——— اس لیے کہ وہ اس کی چہیتی بہن کی یادگار تھا!

مسعود کو دیکھ کر اس کے سینے میں مہرِ مادری موج زن ہوجاتی تھی ——— اس لیے کہ وہ خود اولاد سے محروم تھی، اللہ نے اسے ایک چاند سی بیٹی تو دی تھی۔ لیکن اسے اس کی گود سے چھین بھی لیا تھا، اس کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وہ ہمیشہ سے مسعود کو اپنا بیٹا ہی خیال کرتی تھی، اور جب خالدہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کے ہاتھ میں مسعود کا ہاتھ دے کر رخصت ہوئی تھی، جب سے تو وہ اسے اپنا حقیقی بیٹا سمجھنے لگی تھی۔

وہ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی کہ کیا کرے؟

جی چاہتا تھا اسے اپنے ساتھ خان پور لے جائے، لیکن کیا یہ کوئی آسان کام تھا؟

انور، اختری بیگم، اور نشاط کو اس پر راضی کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

پھر کیا کرے؟

کیا خالی ہاتھ چلی جائے؟

پھر وہ خالدہ کو کیا منہ دکھائے گی؟ اپنے دلِ ناصبور کو کس طرح تسلی دے گی؟

اور اب ایک نئی پریشان کن صورت پیدا ہو گئی تھی!

نہ جانے کہاں سے ارجمند ٹپک پڑی تھی۔

وہ آتے ہی سارے گھر پر چھا گئی۔

سارا گھر اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔

جسے دیکھو وہ ارجمند کے گن گا رہا ہے اور اس کی تعریف میں قصیدے پڑھ رہا ہے!

جیسے وہ جادو جانتی تھی، اور اپنے سحر سے اس نے سب کو مطیع کر لیا تھا۔

نشاط اس پر ہزار جان سے فدا تھی۔!

اختری بیگم اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں!

انور کے اوقات کا بڑا حصّہ اسی کے ساتھ مجلس طرازیوں اور

رنگ آرائیوں میں صرف ہوتا تھا -

اور اب تو علانیہ ارجمند اور انور کی باتیں بھی شروع ہو گئی تھیں - !

سب کو معلوم ہو گیا تھا، خالدہ کے چالیسویں کے چند ہی روز بعد یہ تقریب سعید انجام پا جائے گی - !

انور کی ارجمند سے شادی ہو جائے گی، لیکن اس کے بعد مسعود کا حشر کیا ہو گا ؟"

کیا ارجمند اسے ماں کی محبّت دے سکے گی ؟

کیا پھوپھی کے دامن میں وہ ماں کی شفقت پا سکے گا ؟

کیا دادی کے زیرِ سایہ وہ خوشی اور نشاط کی زندگی بسر کر سکے گا ؟

کیا انور باپ اور ماں کے فرائض انجام دے سکے گا ؟

ان سارے سوالات کا جواب انکار میں تھا، !

وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی دادی کو اگر فکر تھی تو صرف اپنی، نشاط کو بزم آرائیوں سے اتنی فرصت کہاں تھی، کہ مسعود پر نگاہ غلط انداز ڈال سکتی، ارجمند سے اور مسعود سے نہ جانے کیوں پہلے ہی دن سے کچھ اَن بن سی رہنے لگی تھی، مسعود اس کے پاس ایک پل بیٹھنا دوبھر سمجھتا تھا، اور ارجمند کی آنکھوں میں

اسے دیکھ کر نفرت برسنے لگتی تھی، انور کو اس کا قطعاً احساس نہیں تھا کہ مسعود کے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں اس پر بھی عائد ہوتی ہیں -!

پھر ؟ ——————

(۸)

صفیہ کا وجود اس گھر میں اب کھٹک رہا تھا۔!
اس کی موجودگی میں خالدہ کے چالیسویں کے فوراً بعد انور کی
شادی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی تھی!
لیکن امجدی بیگم بھی بضد تھیں کہ نیک کام میں تاخیر کیوں؟ اور
اختری خانم کو بھی اصرار تھا کہ یہ تقریب جلد سے جلد انجام پا جانی چاہیے۔
اور سب سے بڑھ کر نشاط مچلی ہوئی تھی کہ کل کے ہوتے آج
دو بول پڑھ دیے جائیں۔
انور نے شروع میں تو آنا کانی کی، کچھ ٹال مٹول سے کام لیا۔

لیکن ارجمند نے اسے کچھ اس طرح اسیرِ دام کیا تھا کہ اب وہ خود اس پر اڑا ہوا تھا کہ یہ کام جلد سے جلد ہو جانا چاہیئے۔

جہاں تک ارجمند کا تعلق تھا وہ تو دل سے یہ چاہتی تھی، خالدہ کا انتقال اس کے لیے بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا کا مصداق تھا۔

لیکن یہ سب صفیہ کی موجودگی کو اپنے عزائم کے راستے میں پتھر سمجھ رہے تھے۔!

ان کا بس چلتا تو اس سے بے تامّل کہہ دیتے۔

" بس بیوی ہو چکا، خیر سے سدھارو۔!

لیکن یہ بات امجدی اور ارجمند تک سے کہی جا سکتی تھی، لیکن صفیہ سے کہنا قطعاً ناممکن تھا۔

وہ جس باپ کی بیٹی تھی، جس گھر کی لڑکی تھی، جس شوہر کی بیوی تھی اس کے ساتھ اس طرح کا رویّہ اختیار کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا!

لیکن ایسا نہ تھا کہ ان لوگوں کے دل کی بات صفیہ نہ محسوس کر رہی ہو۔

وہ بڑی حساس تھی، نگاہوں کو پہچانتی تھی، اور دل کا بھید معلوم کر لیتی تھی۔!

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں ہے،

اب اسے رختِ سفر باندھنا چاہیئے -

لیکن مسعود اس کے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا تھا -

مسعود کو چھوڑ کر وہ کس طرح چلی جائے ؟ ---- کیا یہ ممکن تھا!

اور شاید یہ ناممکن ممکن ہی ہو جاتا لیکن ایک حادثہ ایسا پیش آیا جس نے اسے مجبور کر دیا کہ بندھا ہوا بستر کھول دے -

مسعود کو بخار آیا ، اور اس بخار نے اتنی شدّت اختیار کر لی کہ اس پر سرسامی کیفیت طاری ہو گئی ، وہ صفیہ کو اپنے پاس سے ایک منٹ کے لیے بھی ہٹنے نہیں دیتا تھا ، نہ وہ خود اتنی سنگ دل اور کٹھور تھی کہ اس حالت میں اسے چھوڑ کر چلی جاتی -!

گھر والوں کے طور طریقے دیکھ کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب خان پور واپس چلا ہی جانا چاہیئے ، صرف انتظار اس کا تھا کہ مسعود کی طبیعت ذرا سنبھل جائے -

لیکن مسعود کی طبیعت سنبھلتی تو کیا ایک نیا شگوفہ کھلا ، یہ بخار چیچک کا بخار ثابت ہوا ، اور اس معصوم بچے کے سارے بدن کو چیچک کے بڑے بڑے دانوں ، اور آبلوں نے ڈھانپ لیا ، اس کی تکلیف اور اذیّت دیکھی نہیں جاتی تھی ، اس حالت میں صفیہ نے اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر دیا ، دن رات اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی -

پچیک متعدی مرض ہے۔ مسعود اس مرض میں اگر خالدہ کی زندگی میں مبتلا ہوا ہوتا تو شاید سارا گھر اس کی تیمارداری کے لیے وقف ہو جاتا۔ لیکن اب تو نوکر تک اس کے پاس اور اس کی وجہ سے صفیہ کے پاس آتے ہوئے کتراتے تھے۔

اور ایک روز تو ایسا واقعہ ہوا جس نے صفیہ کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا۔

مسعود کمرے میں بستر پہ دراز تھا، ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی تھی۔ کئی رات سے صفیہ بھی نہیں سوئی تھی۔ پاس ہی پڑی ہوئی چارپائی پر وہ بھی لیٹ گئی، خیال تھا ذرا دیر سولے گی تو تازہ دم ہو جائے گی۔

ابھی بستر پہ لیٹے ہوئے مشکل سے اسے چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ انور کی آواز اس کے کان میں آئی، وہ نشاط سے پوچھ رہا تھا۔

"مسعود اب کیسا ہے؟"

نشاط نے جواب دیا۔

"ویسا ہی ہے۔"

یہ سن کر انور، مسعود کو دیکھے اور اس کے کمرے میں جائے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پھر نشاط کی آواز آئی، وہ ارجمند سے کہہ رہی تھی۔

"یہ تو اچھا ہی نہیں ہو چکتا کسی طرح !"

وہ بولی۔

"اس عمر میں چیچک کا مریض مشکل سے جاں بر ہوتا ہے۔"

نشاط نے کہا۔

"اس لڑکے کی بیماری نے تو سارے گھر کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، نہ مرتا ہے نہ اچھا ہوتا ہے، چھوت کی بیماری ہے کہیں خدانخواستہ ہم لوگوں میں سے کسی کو نہ ہو جائے۔!"

ارجمند نے جواب میں کہا۔

"یہی تو میں بھی سوچ سوچ کر ڈرتی اور ہولتی رہتی ہوں ——— ذرا اپنے بھائی کو دیکھو، بالکل اس کے کمرے کے پاس دروازے کے قریب کھڑے تھے ——— یا اللہ تو انہیں اپنی حفاظت میں رکھنا!"

نشاط نے سوال کیا۔

"کیا تم بھیا کو چاہنے لگی ہو جو ان کی اتنی فکر ہے!"

وہ بولی۔

"شاید تمہارا پٹنے کو جی چاہ رہا ہے!"

پھر دونوں کے قہقہے فضا میں گونجنے لگے!

(۹)

مسعود کی بیماری بڑھتی ہی گئی، چیچک کے بڑے بڑے دانوں اور آبلوں نے اس کے سارے بدن کو داغدار اور لہولہان کر رکھا تھا، غیروں کا کیا ذکر، اپنوں کا یہ حال تھا کہ جو اسے دیکھ لیتا تھا نفرت سے منہ پھیر لیتا تھا ایک تو اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی، اور اگر بچ بھی گیا تو صورت ایسی بگڑ جائے گی کہ جو دیکھے گا نفرت کرے گا۔

لیکن باپ، دادی، پھوپھی، اور ہونے والی ماں کے ان تصورات و خیالات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اگر کوئی تن من دھن سے مسعود کی تیمارداری میں لگا ہوا تھا تو وہ صفیہ تھی!

ایک روز ڈاکٹر دیکھ کر جب واپس جانے لگا تو ارجمند نے اس سے پوچھا۔

"کیوں ڈاکٹر صاحب کیا حال ہے مریض کا؟"

اس نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا ایسا پیارا بچہ، ایسی ہولناک بیماری میں مبتلا ہوا ہے خدا خیر کرے۔!"

نشاط نے سوال کیا۔

"کیا بچ جائے گا؟"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"اس کا جواب تو آنے والے چند روز دیں گے!"

ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے، صفیہ اپنے کمرے میں بیٹھی پیاری باتیں سن رہی تھی، اور یہ دیکھ دیکھ کر اس کا دل کڑھ رہا تھا کہ خود مسعود کے کانوں میں بھی یہ باتیں پڑ رہی تھیں اس کا ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔

صفیہ نے اس کی ذہنی کیفیت محسوس کر لی، اس کے پاس جاکر بیٹھ گئی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا، اور پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہو بیٹے؟"

مسعود نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ
آنسو گرنے لگے، صفیہ نے دوپٹے کے دامن سے آنسو پونچھے، اور
اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر اپنے لرزتے ہوئے لب رکھے اور کہا۔

"میرے بچے تو روتا کیوں ہے؟"

اس نے جیسے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں اچھا ہوں گا!"

صفیہ نے غصہ کرتے ہوئے پیار بھری نظروں سے اسے گھورا،
اور پھر لبوں پہ انگلی رکھتی ہوئی بولی۔

"خاموش، خبردار ایسی باتیں نہیں کرتے!"

اس نے کہا اور کوئی میرے پاس نہیں آتا"

صفیہ نے کہا۔

"اور میں جو ہر وقت تیری پٹی سے لگی بیٹھی رہتی ہوں!"

وہ تقریباً روتا ہوا بولا۔

"سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں!"

صفیہ نے بادیدۂ پرنم سوال کیا۔

"کیا میں بھی؟"

" وہ کہنے لگا۔

" ہر وقت میرے پاس سے بدبو کے بھبکے اٹھا کرتے ہیں مجھے خود اچھا نہیں لگتا !"

صفیہ کی آنکھوں میں مہرِ مادری جھلک رہی تھی ، وہ کہنے لگی -

" لیکن میرے لیے تو یہ خوشبو ہے !"

مسعود نے ایسا محسوس کیا جیسے اس وسیع دنیا میں وہ اکیلا نہیں ہے - اس کا بھی کوئی ہے ، اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کی محبت اور مسرت سمٹ آئی ، اس نے کہا -

" خالہ جان کتنی اچھی ہیں آپ ؟"

اور وہ مسکراتی ہوئی بولی -

اور خالہ جان کا بھانجا ؟ وہ بھی تو بہت اچھا ہے - ساری دنیا سے اچھا - !"

کچھ سوچتے ہوئے مسعود نے کہا -

" خالہ جان جب آپ چلی جائیں گی تب کیا ہوگا ؟"

یہ سوال خود صفیہ کو بھی پریشان کر رہا تھا - اور اس کا کوئی معقول جواب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ، وہ کچھ جواب میں نہ کہہ سکی - مسعود نے پھر پوچھا -

" بتائیے خالہ جان !"

وہ بے بسی کے ساتھ گویا ہوئی۔

"کیا بتاؤں بیٹے؟"

مسعود نے اپنا سوال پھر سے دوہرایا۔ اور کہنے لگا۔

"جب آپ چلی جائیں گی تب کیا ہوگا؟"

صفیہ نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ تم کھیلوگے، پڑھوگے، چین سے رہوگے، اور اپنی خالہ جان کو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں کروگے، کیوں رے بے مروت؟"

لیکن ان شگفتہ الفاظ سے مسعود کا مغموم و مایوس دل خوش نہیں ہوا، اس نے کہا۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔!"

صفیہ نے لرزتے ہوئے دل اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ پوچھا۔

"پھر کیا ہوگا؟"

"یہاں کوئی میری خبر نہیں لے گا۔!

وہ مصنوعی تبسم طاری کرتی ہوئی بولی۔

"چل پگلے، باپ، پھوپھی، دادی، سب اتنا تو چاہتے ہیں تجھے!"

مسعود نے اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

جب سے امی کا انتقال ہوا ہے، کوئی بھی مجھے نہیں چاہتا۔ سب

مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں، بیمار پڑنے سے پہلے بھی کوئی میری بات نہیں پوچھتا تھا ، !"

یہ کہتے کہتے پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے، صفیہ نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، پھر اس کے زخمی گال پر آہستہ سے اپنے لب رکھے ، اور کہنے لگی -

" یہ تیرا خیال ہے ، بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے !"

مسعود نے ضد کرتے ہوئے کہا -

ہو چکا ہے !"

تعجب اور حیرت کے ساتھ صفیہ نے مسعود کی طرف دیکھا، اور دریافت کیا -

" کیا ہو چکا ہے ؟"

وہ کہنے لگا -

" جس دن پہلے پہل مجھے بخار آیا ہے آپ جانتی ہیں کیا ہوا تھا ؟"

" نہیں جانتی بیٹے !"

" میرا بدن ٹوٹنے لگا ، سر میں درد بھی بڑے زور کا ہو رہا تھا، میں دادی جان کے پاس گیا ان سے کہا ، میری عجیب حالت ہو رہی ہے ، نہ جانے بدن کیوں ٹوٹ رہا ہے !

وہ تخت پر بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھیں، کہنے لگیں -

"جاؤ اپنے باپ کو دکھاؤ !"

"پھر تم بھائی جان (انور) کے پاس گئے ؟"

"ہاں گیا، ان سے بھی یہی کہا، انھوں نے کہا بڑا دکھی ہو گیا ہے چل بھاگ یہاں سے !"

"پھر کیا ہوا ؟"

"پھر میں پھوپھی اماں (نشاط) کے پاس گیا وہ اور ارجمند خالہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، ان سے میں نے بھی کہا، !"

"پھر ———— ؟"

ارجمند خالہ ہنسنے لگیں اور کہنے لگیں -

"تمھاری موت آئی ہے اب تم مر جاؤ گے !"

"ہائے غضب، اس نے یہ کہا ؟"

"جی، ———— اور پھوپھی اماں بولیں، مر جائے گا تو اچھا ہی ہوگا، اپنی ماں کے پاس پہنچ جائے گا۔ بچے ماں کے پاس بہت خوش رہتے ہیں "

"پھر میرے سب بیٹے ؟"

"مجھے بہت رونا آیا مگر میں ضبط کر گیا، اور آپ کے پاس اپنے

کمرے میں آکر چپ چاپ بیٹھ گیا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی دریافت کیا۔

"مسعود تیرا چہرہ اُترا ہوا کیوں ہے؟"

"ہاں مجھے یاد ہے۔!"

"جی تو چاہا کچھ نہ بولوں مگر سر پھٹا جا رہا تھا، آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں، سارا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ مجبوراً کہنا پڑا۔

"کچھ طبیعت خراب ہے۔"

"ہاں ——— تو نے یہی کہا تھا۔!"

"یہ سنتے ہی آپ نے اُٹھ کر میرا ماتھا دیکھا، پھر تھرمامیٹر لگا کر بخار دیکھا، اس کے بعد جلدی جلدی بستر کر کے مجھے لٹا دیا ——— خالہ جان میں دیکھ رہا تھا آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔!"

آنسو اس وقت بھی صفیہ کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مسعود نے کہا۔

"خالہ جان بس آپ ہی مجھے چاہتی ہیں، اور کوئی نہیں چاہتا!"

"تو میرا بیٹا بھی تو تو ہے ——— میرے جگر کا ٹکڑا، میرا دل!"

"لیکن آپ چلی جائیں گی تو کیا ہوگا؟

"کچھ نہیں ہوگا میرے بچے!"

"میں مر جاؤں گا خالہ جان!"

"تیرے منہ میں خاک یہ کیا بک رہا ہے؟"

"میں جھوٹ نہیں کہتا، آپ کے بعد میں مر جاؤں گا!"

"ہائے میرے اللہ اسے کیا ہو گیا ہے!"

"خالہ جان"—

"ہاں بیٹے"—

"میری ایک بات مانیے گا؟"

"کیوں نہیں مانوں گی میرے لال،!"

"تو ایسا کیجئے یا تو یہاں سے جائیے نہیں، اور اگر جائیے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی چلیے!"

"تجھے اپنے ساتھ لیتی چلوں؟"

"ہاں"—

"تو چلے گا میرے ساتھ—؟"

"اگر آپ نہیں لے جائیں گی تو بھاگ کر آپ کے پاس خان پور آجاؤں گا—!"

"نہیں بیٹے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی!"

"تو پھر آپ کیا کریں گی؟ کیا یہاں رہ جائیں گی!"

"یہاں کیسے رہ سکتی ہوں میرے بیٹے؟"

"پھر کیا مجھے اپنے ساتھ لینی چلنے گا !"

"ہاں کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہوں !"

مسعود کے زرد چہرے پر خوشی کی لالی آ گئی، اس نے کہا۔

"دیکھئے خالہ جان بھول جیئے گا نہیں !"

"نہیں بیٹے بھلا تجھ سے کیا ہوا وعدہ بھول سکتی ہوں ؟"

مسعود خوش ہو گیا، اور خاموش ہو گیا، اور صفیہ سوچنے لگی کہ اپنے وعدے کو پایۂ تکمیل تک کس طرح پہنچائے ؟

نہ یہ ممکن تھا کہ وہ یہیں احمد نگر میں انور کے ہاں رہ جاتی، اور نہ اس کی کوئی سبیل نظر آتی تھی کہ مسعود کو اپنے ساتھ خان پور لے جائے ؟ اور خود اس کا دل بھی کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا کہ مسعود کو یہاں بے یار و مددگار چھوڑ جائے، اس گھر کو اور یہاں کی فضا کو وہ اچھی طرح دیکھ رہی اور محسوس کر رہی تھی !

پھر ——— ؟

وہ اسی فکر میں غرق تھی کہ مسعود نے پانی مانگا، اس نے جلدی سے اُٹھ کر پانی پلایا اور پھر اپنے خیال میں مستغرق ہو گئی !

(۱۰)

چند روز کے بعد ایک اور عجیب واقعہ رونما ہؤا جس نے صفیہ کے لیے فکر و تشویش کا مزید سامان پیدا کر دیا ۔

ہؤا یہ کہ گھر میں ایک لڑکا ملازم کی حیثیت سے کام کرتا تھا ، جس کا نام غفور تھا ، رات کو حسبِ معمول سویا ، صبح اٹھا تو نہایت شدید بخار میں لت پت ۔

یوں تو غفور بیمار پڑتا ، ایڑیاں رگڑتا ، مر بھی جاتا تو کوئی پروا نہ کرتا ، لیکن چونکہ مسعود چیچک میں مبتلا تھا ، اس لیے اس غریب کے بخار نے غیر معمولی اہمیت سارے گھر میں حاصل کر لی ۔

یہ خبر سنتے ہی سب سے پہلے ارجمند نے نشاط سے کہا۔

"لو جی اور بھی کچھ سُنا ؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا ہُوا ؟"

ارجمند نے بتایا۔

"غفور بخار میں لت پت پڑا ہے!"

نشاط ہنسنے لگی۔

"تو کون سا غضب ہو گیا، لوٹ پوٹ کے اچھا ہو جائے گا!"

ارجمند نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"نہیں نشاط یہ وہ بخار نہیں ہے کہ لوٹ پوٹ کر آدمی اچھا ہو جائے"

نشاط نے سوال کیا۔

"تو پھر کیا گردن توڑ بخار ہے ؟"

"اس سے بھی خطرناک ــــــــ مجھے شبہ ہے اس کے بھی چیچک نکلنے والی ہے، ضرور مسعود کی چھوت اسے لگی ہے، خدا خیر کرے!"

"اس کمبخت مسعود کے بچے نے تو چیچک میں مبتلا ہو کر سارے گھر کو خطرے میں ڈال دیا ہے"

"یہی تو میں بھی کہتی ہوں!"

"یہ نوبت بُرا ہُوا ـــــــ اگر خدانخواستہ ـــــــ

"خدانخواستہ کی کیا کہتی ہو، یہ تو وہ موذی مرض ہے جو ہر عمر میں ہر ایک کو ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ بھی دوبارہ سہ بارہ اس کے شکار ہو سکتے ہیں!"

"اگر خدانخواستہ میرے نکل آئی ـــــ؟"

"اور اگر خدانخواستہ میرے نکل آئی؟"

"اللہ نہ کرے بھیّا اس میں مبتلا ہو گئے تو؟"

"خدا نہ کرے، تمھارے مُنہ میں خاک ـــــ لیکن ہو تو سکتی ہے!"

"پھر کیا کیا جائے ارجمند؟ ـــــ یہ مسعود تو ہمیشہ کا منحوس ہے نہ جانے کیا کیا گل کھلائے گا۔!"

"جب تک وہ اس گھر میں ہے کسی کی خیریت نہیں!"

"لیکن اس سے نجات کیونکر حاصل کی جائے!"

"بہن بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"ضرور کہو، بُرا کیوں مانوں گی؟ وہ بھی تمھاری بات کا!"

"آدمی کا بدن جب سڑنے لگتا ہے تو خراب حصّہ کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔"

"ہاں تو" ـــــ

"اگر کہیں پھوڑا نکلتا ہے تو اس کا علاج بھی آپریشن سے ہوتا ہے؟"

"یہ بھی ٹھیک کہتی ہو، مگر تمھارا مطلب کیا ہے؟ — مصیبت یہ ہے کہ نہ مسعود کا آپریشن کیا جا سکتا ہے۔ نہ اسے کاٹ کر پھینکا جا سکتا ہے، آخر کو وہ اسی خاندان کا ایک فرد ہے — ہے کہ نہیں؟"

"ہاں ہے تو۔"

"پھر بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"میری رائے تو یہ ہے کہ اسے متعدی امراض کے ہسپتال میں بھیج دیا جائے۔"

"کیا کہا ارجمند؟"

"اسے متعدی امراض کے ہسپتال میں بھیج دو، زندگی ہوئی تو بچ کر واپس آ جائے گا، ورنہ موت سے کس کو رستگاری ہے؟"

"رائے تو بڑی صائب ہے — چلو امی کے پاس چلیں؟"

"میں نہیں جاتی، تم جاؤ۔"

"واہ یہ کیوں؟"

"میرا تمھارا معاملہ ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو اتنی اچھی طرح سے جان چکے ہیں کہ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ لیکن اماں جی (اختری خانم) لاکھ مجھے اولاد کی طرح مانیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کے

دل میں خیال آجائے کہ میں ان کے پوتے کا بُرا چاہتی ہوں ؟"

" تو کیا متعدی امراض کا ہسپتال کوئی قصاب گھر ہے ؟ ایسا وہ کیوں سوچنے لگیں ؟ پھر میں جو تمہارے ساتھ چل رہی ہوں !

" نانا یا تم ہی جاؤ ، بندی یہیں بیٹھی ہے ——— مجھے اپنی تو کوئی پروا نہیں ، کسی مرض میں بھی مبتلا ہو کر مر جاؤں آخر مرنا ہے ، لیکن یہ سوچ کر دل ہولتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں تم یا تمہارے بھیا اس مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائیں ، ورنہ مجھے کیا تھا چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہتی !"

" تمہارا تو دماغ چل گیا ہے ——— ارے بھائی باتیں میں کرلونگی ، ساتھ تو چلی چلو - یا اس میں بھی کوئی غلط فہمی ہو جائے گی -!

" تم تو ضد کرتی ہو نشاط !"

" نشاط اگر ارجمند سے ضد نہ کرے گی تو کس سے کرے گی ؟ ——— آؤ چلیں ، غفور اور مسعود دونوں کو ہسپتال بھیجنے کا بندوبست کئے دیتے ہیں وہاں اسپیشل وارڈ بھی تو ہوتا ہوگا وہیں مسعود کا بندوبست کردینگے اسے کوئی تکلیف تو ہوگی نہیں !"

ارجمند بادل ناخواستہ نشاط کے ساتھ جانے کو اٹھی تھی کہ باہر سے انور آگیا ، اسے دیکھ کر دونوں ٹھٹک کر کھڑی ہوگئیں !

(۱۱)

انور نے شوخ نظروں سے ارجمند کی طرف دیکھا، اور پوچھا۔

"کہاں کی تیاریاں ہیں؟"

ارجمند کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ نہ تبسم، نہ عشوہ وغمزہ، انور نے پھر اپنا سوال دُہرایا اور اس کی طرف دیکھا تو محسوس ہُوا اس کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں، یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا، اس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے ارجمند؟"

جب اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو انشاط سے پوچھا۔

"کیا تم دونوں میں کھٹ پٹ ہو گئی —— ؟"

وہ بولی

"نہیں بھتیا، ہم دونوں میں کبھی کھٹ پٹ نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ارجمند آپ کی طرف سے حد درجہ پریشان ہیں!"

انور نے اور زیادہ متحیر ہو کر سوال کیا۔

"میری طرف سے پریشان ہیں؟ مجھے کیا ہوا؟"

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔

"یہ ڈرتی ہیں کہیں خدانخواستہ آپ کو کچھ نہ ہو جائے"

"لیکن میں تو بھلا چنگا ہوں آخر اس پریشانی کا سبب؟"

"وہ ہمارا غفور ہے نا، آج اسے بھی بخار ہو گیا!"

"کیا پہلی مرتبہ ہے —— اس کی اور بخار کی تو پرانی دوستی ہے لیکن ہمیشہ جیت اس کی رہتی ہے، اور بخار صاحب کو چار و ناچار بوریہ بستر باندھ کر رخصت ہونا پڑتا ہے!"

"آپ تو سمجھتے ہی نہیں بھیا کسی طرح!"

"تو یہ کون سا ایسا پرابلم ہے؟ اور ہے تو بتاؤ؟"

"اسے دوسری قسم کا بخار ہے، یعنی ——"

"یعنی کیا؟"

" وہی جو مسعود کو ہے ؟"

" کیا اس کے بھی چیچک نکل آئی ہے ؟"

" ابھی تو نہیں نکلی، لیکن کیا جانے کب نکل آئے ——— ارجمند اس فکر میں جان دیئے دے رہی ہیں کہ یہ مرض متعدّی ہوتا ہے، مسعود سے غفور کو لگا ہے، اس سے کہیں دوسروں کو نہ لگ جائے !"

" یعنی، مجھے" ———

" ہٹیے بھی، دشمن کے کان بہرے، !"

" (فکر مند ہو کر) ہاں یہ ہو تو سکتا ہے !"

" بس یہی پریشانی ہے، اور کوئی بات نہیں !"

" پھر کچھ سوچا بھی کہ کیا کیا جائے ——— ؟

" ارجمند کی رائے ہے کہ مسعود کو اسپیشل وارڈ میں اور غفور کو جنرل وارڈ میں داخل کرا دیا جائے !"

" یعنی اسپتال میں !"

" جی ہاں ——— کیا نام ہے اس کا ارجمند ؟

" امراض متعدّی کا ہسپتال !"

" (کچھ سوچتے ہوئے) تجویز تو بری نہیں ہے !"

" ارجمند بول پڑی -

"اس کے بعد بھی امد نشاط مل کر سارے گھر کو فلٹی کرا ئیں گے، اور کسی طرح کے جراثیم باقی نہیں رہنے دیں گے!"

انور نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"خیر یہ تو ہو جائیگا، لیکن ارجمند تم اس قدر روہی کیوں ہو گئی ہو؟"

ارجمند کو چڑاتے ہوئے نشاط نے کہا۔

"بیچاری کا دل بہت کمزور ہے!"

ارجمند نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو پھر اچھا نہیں ہوگا!"

"کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟ کمزور دل کی نہیں ہو؟"

"میں کیوں ہوتی؟"

"پھر ابھی رو کیوں رہی تھیں؟"

"بڑا بول نہ بولو نشاط!"

نشاط نے دونوں کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"توبہ کرتی ہوں"

ان لوگوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، امجدی بیگم اور اختری خانم ساتھ ساتھ پان کھاتی اور پیک تھوکتی، خراماں خراماں تشریف لے آئیں

اختری خانم نے پوچھا۔

"کیا ہو رہا ہے لڑکیو؟"

ارجمند اور نشاط خاموش رہیں، لیکن انور نے کہا۔

"امّی جان سنا ہے غفور کو بخار آگیا ہے؟"

وہ بولیں

"ہاں بیٹا، اور چیچک بھی پھوٹ رہی ہے!"

جیسے ارجمند کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

"ہائے اللہ ——— اماں جی سچ؟"

وہ اطمینان سے بولیں۔

"ہاں بیٹی کہہ تو رہی ہوں!"

نشاط نے انور سے کہا۔

"بھیّا پھر فوراً اسکیم پر عمل ہونا چاہیئے!"

اختری خانم نے سوال کیا۔

"اسکیم کیسی؟"

انور نے تفصیل سے ساری اسکیم بتا دی اور کہا۔

"یہ قانوناً جرم بھی ہے کہ گھر میں ایسے مریضوں کو رکھا جائے، اگر کسی نے رپورٹ کر دی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے!"

اختری خانم کو اگر اس تجویز کے ماننے میں کچھ تامل تھا بھی تو وہ جاتا رہا ، انھوں نے کہا -

" جیسا تم مناسب سمجھو ، مالک و مختار ہو "

(۱۲)

صفیہ وضو کر کے اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ اس نے انور اور اختری خانم کی باتیں کسی حد تک سن لیں، اور مطلب سمجھ گئی، اسے دیکھ کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔

کچھ صفیہ کی شخصیت کا وقار، کچھ اس کی امارت کا رعب، کچھ بیرسٹر صاحب کا اثر، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ گو اس گھر میں اس کی حیثیت ناپسندیدہ مہمان کی تھی، لیکن سب ہی اس سے دبتے اور بچتے تھے، کوئی بات اس کے منہ سے نکل جائے تو سب کے لیے اس کا پورا کرنا فرض تھا، کسی معاملہ میں وہ اپنی دو ٹوک اور فیصلہ کن رائے کا اظہار

کر رہے پھر کسی کی ہمت نہیں تھی کہ اس سے اختلاف کر سکے، خالدہ نے اپنے چاؤ اور پیار کے باعث اسے اور سر پہ چڑھا رکھا تھا، اس کی زندگی میں صفیہ کی جو عظمت قائم ہو چکی تھی اس کے اثرات ابھی اب تک کام کر رہے تھے۔

صفیہ کو جاتا دیکھ کر انور نے کہا۔

"صفیہ ذرا سننا تو!"

وہ کھڑی ہو گئی، اور انور کی طرف دیکھنے لگی کہ وہ کیا کہتا ہے۔

انور نے کچھ سٹ پٹاتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگوں نے ایک فیصلہ کیا ہے، امید ہے تمھیں اس سے اختلاف نہ ہو گا!"

صفیہ نے تیوری چڑھا کر، انور کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا اس فیصلہ کا میری ذات سے بھی کچھ تعلق ہے؟"

انور نے جواب دیا۔

"بہت کچھ ہے!"

"تو فرمائیے جلدی سے، کہیں نماز نہ قضا ہو جائے!"

"ہم نے سوچا ہے کہ مسعود کو متعدی امراض کے ہسپتال میں داخل کرا دیں!"

"یہ کیوں ؟"

"بات یہ ہے ——— میرا مطلب یہ ہے، یعنی میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب اس کی بیماری سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہونے لگے ہیں -!"

ارجمند بول پڑی -

"غفور بھی بیمار ہوگیا ہے !"

اختری خانم نے لقمہ دیا -

"ہاں، چیچک ابھر رہی ہے اس غریب کے بھی "

صفیہ نے نفرت اور حقارت کی ایسی نظر ڈالی جسے ان سب نے محسوس کر لیا اور کہا -

" اب شاید آپ صاحبان کو یہ دھڑکا لگا ہو گا کہ کہیں نصیبِ دشمناں آپ میں سے کوئی مبتلائے چیچک نہ ہو جائے "

نشاط نے جواب دیا -

" یہ مرض ہی کمبخت ایسا ہے ——— خدا دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے "

صفیہ نے زہرخند کرتے ہوئے کہا -

" لیکن محبت ان خطروں کو خاطر میں نہیں لاتی ——— اگر تمہارے

چیچک نکل آئے تو بھائی جان تمھیں ——

امجدی بیگم ضبط نہ کر سکیں، کہنے لگیں۔

"اے بیٹی خدا سے ڈرو، بھر منہ ایسی بات تو نہ کہو، اس کے دشمنوں کو چیچک نکلے ——

صفیہ نے تیکھے اور روکھے انداز میں کہا۔

"اس معاملہ میں آپ کو بولنے کا حق نہیں ہے، اگر آپ کو ڈر لگتا ہے اپنے گھر واپس چلی جائیے، مہمان بن کر صاحب خانہ کو گھر سے نکالنا کون سا آئینِ شرافت ہے، اور یہ فن آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟"

وہ بیچاری تو خاموش ہو گئیں، اب اختری خانم کی باری تھی۔

"بیٹی تم تو خفا ہو گئیں، حالانکہ اس تجویز میں سب ہی کا بھلا ہے!"

انور نے پھر قانون یاد دلایا۔

"ایسے مریضوں کا گھر میں رکھنا قانونی طور پر جرم ہے، اگر کسی دشمن نے رپورٹ کر دی، تو مشکل پیش آجائے گی!"

اب صفیہ سے ضبط نہ ہو سکا، اس نے صاف صاف الفاظ میں کہا۔

اتنے دنوں سے اس گھر میں میرا قیام ہے، اور میں نے اچھی طرح

سے محسوس کر لیا ہے مسعود سے کوئی بھی محبت نہیں کرتا!"

اختری خانم بولیں۔

"یہ نہ کہو بیٹی، وہ تو ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے"

صفیہ نے تلخ لہجہ میں جواب دیا۔

"لیکن اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھنے ایک مرتبہ بھی آپ اس کے کمرے میں نہیں آئیں۔ نہ پدر بزرگوار کو یہ توفیق ہوئی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ آتے جاکر، نہ پھوپھی جان میں یہ ہمت تھی کہ اس کمرے کا رُخ کرتیں جہاں شبیر بیٹھا ہوا تھا ——— اگر میں نہ ہوتی، تو مسعود اب تک کب کا اللہ کو پیارا ہو چکا ہوتا۔ اور شاید آپ لوگوں کا مقصد بھی یہی ہے! یہ سنگ دلی، یہ شقاوت، یہ حقارت، میں نے کہیں نہیں دیکھی ارجمند اور نشاط کی بہت سی باتیں جو مسعود کے بارے میں ہوئیں میرے کان میں پڑ چکی ہیں، میں چپ رہی، صرف اس خیال سے کہ شاید باپ اور دادی اپنے جگر کے ٹکڑے کا خیال کریں گے، مگر آج میری یہ خوش فہمی بھی دفع ہو گئی، !"

کسی سے کوئی جواب نہیں بن آیا، صفیہ نے کہا۔

"مسعود ہسپتال نہیں، میرے ساتھ خان پور جائے گا!"

انور نے پھر قانون یاد دلایا۔

"لیکن ایسے مریض ریل میں نہیں لے جائے جا سکتے۔!"

صفیہ نے کہا۔

"ٹیکسی میں تو لے جائے جا سکتے ہیں، اللہ نے مجھے اتنا دیا ہے کہ میں منہ مانگا کرایہ دے کر اپنے جابجے کو اپنے ساتھ لے جا سکتی ہوں، آپ لوگ مطمئن ہو جائیے، ابھی نماز پڑھ کر، میں بندوبست کرتی ہوں، غفور بھی میرے ساتھ جائے گا!"

(۱۳)

ایک فیصلہ کر لینے کے بعد صنوبر کے لیے اسے برتنے کا ارادہ فرض ہو جاتا تھا ۔۔۔ !

شروع ہی میں وہ مسعود کی کس مپرسی اور بے چارگی پر کڑھتی رہی، انور اختری خانم، نشاط، ارجمند اور امجدی بیگم کا برتاؤ اور سلوک دیکھ دیکھ کر جلتی رہی، لیکن زبان سے اس نے ایک لفظ نہیں نکالا، اس سبب کہ اب تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکی تھی، لیکن انور اور نشاط کی تجویز معلوم کرنے کے بعد اس نے دفعتاً فیصلہ کر لیا، اور اپنے فیصلے کو عمل میں لانے کی تدبیریں شروع کر دیں ۔

صفیہ کے ساتھ اس کے دو ذاتی خدمت گار نثار اور ظہور بھی تھے۔
ظہور کچھ پڑھا لکھا بھی تھا ۔ اس کے ذمے یہ کام تھا کہ صفیہ جو چیزیں یہاں سے خرید کر لائے، ان کے بل احتیاط سے رکھے، چیک بنائے اور دستخط کرا کے دوکاندار کو پہنچا دے، صفیہ کے ذاتی خرچ کا روپیہ پیسہ اور اس کا حساب کتاب بھی ظہور ہی رکھتا تھا، اشرف صرف اس لیے تھا کہ ذرا یہاں چلے جانا، ذرا وہاں ہو آنا - یہ کام کر ڈالو، وہ کام اب تک کیوں نہیں کیا - ؟

انور کو فیصلہ سنا کر، صفیہ نے اپنے کمرے میں نماز پڑھی اس کے بعد ظہور کو بلوایا - وہ حضرت آئے اور سراپا اطاعت بن کر دست بستہ کھڑے ہو گئے، صفیہ نے پوچھا -

"کیا یہاں سے خان پور جانے کے لیے کوئی ٹیکسی مل جائے گی ؟"

بڑی آمادگی اور مستعدی کے ساتھ جواب دیا -

"حضور ایک نہیں دس !"

"خان پور کا فاصلہ یہاں سے کتنا ہے ؟"

"حضور کوئی سوا دو سو میل ہو گا، !"

"کتنی دیر میں ٹیکسی وہاں پہنچ جائے گی ؟"

"اگر بہت اچھی اور عمدہ کار ہوئی تو بھی چھ گھنٹے لگ ہی جائیں گے،

کیونکہ زیادہ تیز رفتار بھی مناسب نہیں !"

"ہاں ٹھیک ہے !"

"تو کیا حضور بندوبست کروں ؟"

"ہاں" ——

"کیا آپ تشریف لے جائیے گا ؟"

"پھر کیا تمھیں سیر کے لیے بھیجوں گی ؟"

پھر وہ بولی -

"اب تو وقت نہیں رہا ، صبح ناشتے کے بعد ۹ بجے ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ، جاکر کسی بھروسے کے آدمی سے طے کر لو کچھ رقم پیشگی بھی دے دو ، جو کرایہ بھی وہ مانگے بغیر بحث کئے منظور کر لو !"

"بہت خوب !"

یہ کہہ کر ظہور صاحب تشریف لے گئے -

مسعود اپنے بستر علالت پر لیٹا لیٹا یہ ساری باتیں سن رہا تھا اس نے کمزور اور نحیف آواز میں اپنی خالہ سے پوچھا -

"کیا آپ خان پور جا رہی ہیں ؟"

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی -

صفیہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا -

"ہاں مسعود ہم خان پور جا رہے ہیں ——— کیا تم ہمارے ساتھ جاؤ گے ؟"

مسعود کے چہرے پر رونق آ گئی، اس نے کہا -

"اچھا آپ مجھے لے چلیں گی ؟"

عفیفہ نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا -

"ہاں بیٹے، اور کیا اکیلی چلی جاؤں گی ؟"

مسعود خوش ہوتا ہوا بولا -

"پھر میں آپ ہی کے ساتھ رہا کروں گا، !"

"یعنی یہاں اپنے گھر واپس نہیں آؤ گے ؟"

"خالہ جان میرا جی یہاں نہیں لگتا، آپ ہوتی ہیں تو میرا دل خوش رہتا ہے آپ ذرا دیر کو بھی چلی جاتی ہیں تو گھبرانے لگتا ہے میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گا، !"

یہ باتیں سن کر عفیفہ نہال ہو گئی - اس نے کہا -

"یہی حال میرا بھی ہے ... تجھے دیکھ دیکھ کر میرا پلّیوں خون بڑھتا ہے، اور تجھ سے ذرا بھی الگ ہو جاؤں تو نہ جانے کیسے کیسے وہم آنے لگتے ہیں !"

"میں آپ کا بیٹا بھی تو ہوں نا خالہ جان !"

"ہاں بے شک تو میرا بیٹا ہے!"

"امی جب بیمار تھیں تو کہا کرتی تھیں"——

پھر وہ کچھ سوچتا ہوا چپ ہو گیا۔

صفیہ نے بے کلی کے ساتھ پوچھا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم مسعود؟"

کچھ تامّل کے ساتھ وہ گویا ہوا۔

"بیماری کے زمانے میں امّی مجھے بہت پیار کیا کرتی تھیں، اور جب کوئی نہیں ہوتا تھا، تو اور پیار کرتی تھیں، اور کہتی تھیں، میں اب زندہ نہیں رہوں گی، صفیہ کو اپنی ماں سمجھنا۔ وہ تجھے بیٹے کی طرح پالے گی، اور اپنے ساتھ لے جائے گی؟"

صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی

مسعود نے کہا۔

"امّی نے ایک بات اور بھی کہی!"

بھرّائی ہوئی آواز میں صفیہ نے پوچھا۔

"اور کیا کہا میرے بیٹے؟"

مسعود نے رُک رُک کر آہستہ آہستہ کہا۔

"وہ کہا کرتی تھیں، صفیہ کا کبھی دل نہ دکھانا ویسے ہی اس کا دل

دُکھا ہُوا ہے۔!"

صفیہ کی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہو گئے، مسعود نے پوچھا۔

"خالہ جان کیا واقعی آپ کا دل دُکھا ہُوا ہے؟"

صفیہ نے بادیدۂ پرنم کہا۔

"بیٹے اس دُنیا میں خوشیاں کم ملتی ہیں، غم زیادہ، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے!"

مسعود نے کہا۔

"لیکن میں آپ کو خوش رکھوں گا، کبھی غمگین نہیں ہونے دوں گا!"

صفیہ کو رونے سے فرصت نہ تھی کہ کچھ جواب دیتی، مسعود کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے کہا۔

"رات میں نے امّی کو خواب میں دیکھا تھا!"

صفیہ آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی کہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا۔

"بڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں، پیار کرتی رہیں، اور وہی بات پھر کہی جو مرنے سے پہلے کہی تھی، صفیہ کا دل کبھی نہ دکھانا، وہ ویسے ہی غموں کی ماری ہوتی ہے، میں نے کہا،

"وہ مجھے اتنا زیادہ چاہتی ہیں کہ آپ سے بھی زیادہ۔ اور میں

خود نہیں اتنا زیادہ چاہتا ہوں کہ کہہ نہیں سکتا، بھلا میں ان کا دل کس طرح دکھاؤں گا۔ یہ آپ کیوں بار بار کہتی ہیں؟"

صفیہ چپ چاپ سن رہی تھی، اور مسعود کہہ رہا تھا۔

میری اس بات کے جواب میں امّی مسکرانے لگیں، پھر انھوں نے ہلکے سے میرے سر پہ ایک دھول لگائی، اور کہنے لگیں۔

"کتنا زبان دراز ہے ابھی سے۔"

میں کچھ جواب دینے والا تھا کہ وہ نظروں سے غائب ہو گئیں۔

صفیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بک بک تو بہت کرتے ہو!"

مسعود نے جیسے یہ سنا ہی نہیں کہنے لگا۔

"خالہ جان ایک بات کا مجھے جواب دیجئے!"

صفیہ نے آمادگی کے ساتھ کہا۔

"کس بات کا جواب چاہتے ہو؟"

وہ کہنے لگا۔

"کیا واقعی امّی ہی تھیں رات کو، جنھیں میں نے دیکھا، اور جن سے باتیں کیں، اور جنھوں نے مجھے پیار کیا، اور مجھ سے باتیں کیں؟"

صفیہ نے دل دہی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹے وہی تھیں"——

مسعود نے پھر سوال کیا۔

" تو کیا وہ برابر میرے پاس خواب کی حالت میں آیا کریں گی ؟"

صفیہ نے جواب میں کہا ۔

" ضرور آئیں گی ، اگر تم ان کا کہنا مانوگے ۔"

مسعود نے بڑے جوش کے ساتھ جواب دیا ۔

" ان کا کہنا تو یہی ہے کہ آپ کو خوش رکھوں اور وہ نہ کہتیں جب بھی میں آپ کو خوش رکھتا ۔"

صفیہ نے محبت کی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا ۔

" پھر کیوں خوش رکھتے تم ؟"

وہ کہنے لگا ۔

" میں ویسے بھی تو آپ کو چاہتا ہوں ۔"

صفیہ کا رنگ رخ بدل گیا ، اس کے چہرے پر مہر مادری کے نقوش نمایاں ہوگئے ، اس نے گویا یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا ۔

" سچ —— ؟"

وہ بولا ،

" اللہ قسم —— !"

صفیہ اس پر جھک گئی ، اس کے ماتھے پر پیار کرنے لگی ، اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتی ہوئی بولی ۔

" میرا بچہ ، میرا بیٹا ، !"

مسعود صاحب نہایت اطمینان سے اپنے آپ کو پیار کراتے رہے ، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے ۔

" رات امّی پہلے سے بھی بہت زیادہ اچھی لگ رہی تھیں !"

صفیہ نے بتایا ۔

" وہ جنّت میں ہیں نا ۔ !"

" کیا جنّت میں جا کر آدمی بہت زیادہ اچھا ہو جاتا ہے ؟"

" ہاں بیٹے ہاں !"

" تو کیا میں اور آپ بھی جنت میں جائیں گے !"

" اگر اچھے کام کریں گے اور خدا کے احکام بجا لائیں گے تو ضرور جائیں گے !"

" کیا میں اب نہیں جا سکتا ؟"

" یہ کیا سوجھی تمہیں ؟"

" امّی کے پاس چلا جاؤں گا ، انہی کے پاس رہوں گا ۔ !

صفیہ نے خفا ہوتے ہوئے کہا ۔

"ابھی زخالہ جان سے اتنی محبت نگھاری جا رہی تھی ——
کیا مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"
اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا -
"اچھا نہیں جاتا!"
صفیہ نے سوال کیا -
"میرے ساتھ چل تو رہے ہو لیکن وہاں باپ اور دادی، اور
پھوپھی کو یاد کر کر کے مجھے ہلکان اور پریشان تو نہیں کرو گے؟"
ذرا سے تامل کے بعد اس نے جواب دیا -
"بالکل نہیں!"
"کیوں؟ کیا ان کی یاد نہیں آئے گی!"
"آئے گی تو، اور شاید نہ بھی آئے، لیکن آپ کے ساتھ رہ کر
میں اتنا خوش رہوں گا کہ پھر کسی بات پہ مجھے غم نہیں ہوگا، ہاں اگر آپ
کے ساتھ نہ رہا تو بے شک رو رو کر جان دے دوں گا!"
"خدا نہ کرے بیٹے! ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالا کرتے!"
مسعود خاموش ہوگیا۔ صفیہ اس کی دوا تیار کرنے لگی، پھر اس نے
دوا کا گلاس منہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا -
"اب اچھے بچوں کی طرح چپ چاپ اسے پی لو"

دوا پینے میں وہ ہمیشہ نخرے کیا کرتا تھا، لیکن اس وقت واقعی اس نے اچھے بچوں کی طرح چپ چاپ ایک ہی گھونٹ میں ساری دوا پی لی"!

اتنے میں ٹھورا آ گیا، اس پر ایک نظر ڈال کر صفیہ نے کہا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

وہ کہنے لگا۔

"انتظام ہو گیا سرکار، ساڑھے تین سو میں معاملہ طے ہوا ہے ڈیڑھ سو پیشگی دے آیا ہوں، ٹھیک آٹھ بجے ٹیکسی آ کر دروازے پر لگ جائے گی!"

صفیہ نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر سارے انتظامات مکمل کر لو!"

(۱۴)

صفیہ جب کھری کھری سُنا کر اور مسعود کو اپنے ساتھ لے چلنے کا اعلان کر کے رخصت ہوئی تو امجدی اور اختری کی بیٹھنگ اپنے کمرے میں، ارجمند اور نشاط کی مجلس انور کے کمرے میں شروع ہوئی۔

امجدی نے کمرے میں پہنچتے ہی، بہت زور سے کھنکارا، پھر اگالدان میں پیک تھوکی، پھر فرمانے لگیں۔

"بڑی جلال والی ہیں بہن تمھاری یہ صفیہ بیگم!"

اختری خانم نیا پان اس عرصے میں بنا چکی تھیں، ایک بیڑا امجدی کی طرف بڑھایا، ایک اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے فرمایا۔

"ہاں بھئی کیوں نہ ہو، آخر کس گھرانے کی صاحبزادی ہیں!"

امجدی بیگم نے غصّہ کرتے ہوئے کہا -

"ہوا کریں، بڑی بہن کی ساس کا ادب بھی تو کوئی چیز ہے، کیسی پٹر پٹر زبان چل رہی تھی!"

اختری خانم نے اپنی توہین کو اب محسوس کرتے ہوئے فرمایا -

"بہن سچ پوچھو تو یہ سارا خاندان زبان دراز، گستاخ، اور اور بدتمیز ہے، اللہ جنّت نصیب کرے بی خالدہ کو وہ کیا کچھ کم تھیں؟"

امجدی بیگم کو جیسے بالکل یقین نہیں آیا -

"تمھیں میرے سر کی قسم!"

اختری خانم نے اس فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا -

"تمھارے سر کی قسم!"

وہ کہنے لگیں -

بھئی بڑا جگر ہے تمھارا کہ ایسی بدتمیز بہو سے دس برس نباہ دیئے، اور ان نور میاں نے تو کمال کر دیا کہ ایسی بیوی کو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھا، مرد ذات تو بڑی ڈراؤنی چیز ہے، کوئی اور ہوتا تو دو بول طلاق کے بول کر صاف کہہ دیتا، جاؤ بیوی تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش!"

اختری خانم نے ایک آہِ سرد کے ساتھ کہا۔
"بچارا بڑا نیک ہے! غصہ کرنا تو جیسے جانتا ہی نہیں!"
امجدی بیگم نے لقمہ دیا۔
"اسی سے تو یہ دونوں بہنیں اور زیادہ شیر ہو گئیں، ورنہ مجال تھی صفیہ کی کہ اس طرح رو در رو اُلجھنے کی جرأت کرتی۔
"ہاں بہن زمانہ ہی ایسا ہے!"
"چھوڑو بھی آخر زمانے کو کیوں الزام دو۔ کمزوری خود تمہاری ہے۔ سچ کہتی ہوں، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو ر الکھ لگا کر زبان کھینچ لیتی صفیہ بیگم کی!"
اختری خانم کچھ گھبرا سی گئیں "دیوار ہم گوش دارد" کہیں یہ باتیں صفیہ کے کان تک نہ پہنچ جائیں جو ایک اور فتنہ کھڑا ہو جائے۔
"بہن ذرا آہستہ آہستہ بولو ——!"
امجدی بیگم نے اس کمزوری کو تاڑ لیا، کہنے لگیں۔
"میں کیا کسی کی دبیل ہوں، میرے منہ آئیں تو ایک کہیں گی، اور دس سُنیں گی!"
اختری خانم نے بات ختم کرنے کے لیے کہا۔

"لیکن اس کی نوبت ہی کیوں آنے لگی، اب تو وہ کل رخصت ہی ہو رہی ہیں یہاں سے ——— چلو اچھا ہے بلا ٹلی!"

امجدی بیگم نے گویا تائید کرتے ہوئے کہا۔

"خدا اب ان بیگم صاحبہ کا مُنہ نہ دکھلائے!"

اختری خانم نے کہا۔

"جن لوگوں کے پاس دولت ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں،!"

امجدی بیگم کا پارہ پھر چڑھ گیا، فرمایا۔

"جو دولت مند ہیں وہ دو روٹی زیادہ کھا لیں!"

لیکن بہن یہ اچھا ہوا کہ مسعود کو بھی صفیہ اپنے ساتھ لیے جا رہی ہے، ایک بہت بڑی مشکل، جو کسی طرح حل ہوتی نظر نہیں آتی تھی، چٹکی بجاتے ہیں حل ہو گئی!"

"یعنی مسعود سے بھی چھٹکارا مل گیا!"

"ہاں اور کیا!"

"ویسے چھٹکارا کہاں ملا، تندرست ہو کر پھر آجائے گا"

"اوّل تو اس کا تندرست ہونا ہی مشکل ہے، اور اگر ہو بھی گیا تو صفیہ بیگم اتنی باغیرت ہیں کہ بے بلائے اسے یہاں نہیں بھیجیں گی

اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے اب تو اسے بلاتی نہیں "

" ہاں ٹھیک ہی ہے یہ تمہارا فیصلہ - ؟"

" میں اپنے بچے کی شادی کروں گی ، اس کی شادی میں مسعود کا وجود سنگ گراں سے کم نہ تھا ، !"

" کیوں بہن !؟"

" اوّل تو رنڈوے کو اچھی لڑکیاں ویسے ہی مشکل سے ملتی ہیں اور اگر وہ صاحبِ اولاد ہو تو اور زیادہ دشواری پیش آتی ہے !"

" تو کیا تم انور میاں کی شادی کر رہی ہو ؟"

" اے بہن ابھی ماشاءاللہ وہ جوان ہے شادی کیوں نہ کرونگی؟ کیا زندگی بھر یوں ہی بیٹھا جورو کا ماتم کرتا رہے گا ؟"

" ہاں ماشاءاللہ جوان تو ہے "

" تو پھر اس کی شادی نہ کروں ؟"

" ضرور کرو !"

" مجھے تو بڑا ارمان ہے کہ ایک چاند سی دولہن اس کے لیے بیاہ کر لاؤں !"

" اللہ تمھاری یہ حسرت پوری کرے "

"آمین، یارب العالمین ——— تمہارے منہ میں گھی شکر!"

"(ہنس کر) کیوں بہن انور کی شادی میں ہمیں بھی بلاؤ گی؟"

"(مسکراتے ہوئے) نہیں!"

"تو ہم بن بلائے آجائیں گے، چلو بے غیرت کہہ لینا!"

"(بے تکلفانہ لہجہ میں) ایسا ہو سکتا ہے کہ انور کی شادی ہو اور تم نہ بلائی جاؤ، سارا انتظام تمہی کو کرنا پڑے گا۔ مجھ سے تو کچھ ہو نہیں سکتا، جب سے گٹھیا کی شکایت ہوئی ہے، بستر سے ہلنا مشکل ہو گیا ہے، رہ گئیں بی نشاط سو انھیں ہڑ ونگوں سے اور چہلوں سے کہاں فرصت ———"

"اے بہن ایسا نہ کہو، یہی تو کھیلنے کھانے کے دن ہیں، بیاہ ہو جائے گا سسرال چلی جائے گی، سارا ہڑ ونگا پن نکل جائے گا، نیا گھر ہو گا، نیا ماحول، نئے لوگ، نئی فضا، نئی ذمہ داریاں!"

"ہاں یہ بات تو ہے! ——— لیکن"

"لیکن ویکن کچھ نہیں اسے کچھ نہ کہو ورنہ لڑائی ہو جائے گی!"

"تو اسے سمجھاؤ تو ذرا دھیان دیا کرے گھر کے معاملات میں!"

"وقت آنے پر سمجھ خود آجائے گی،!"

"نہ جانے وہ مبارک وقت کب آئے گا،!"

" جلدی ہی آئے گا، فکر نہ کرو !"

" اچھا بہن ایک بات کا جواب تو دو !"

" ہاں ضرور ——— کس بات کا جواب مانگتی ہو ؟"

" خیر سے ارجمند جوان ہوگئی ہے ———"

" ہاں ماشاء اللہ ۲۳ واں سال اس مہینہ سے لگا ہے !"

" اب تو اس کی شادی ہو جانی چاہیئے !"

" ضرور ہونی چاہیئے ، یہی غم تو ہے جو مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے ؟"

" غم ———"

" ہاں بہن !"

" تو اس میں دشواری کیا ہے ۔ ؟ ——— اتنی خوب صورت اور سلیقہ شعار لڑکی ہے پیام تو کئی جگہ سے آئے ہوں گے ؟"

" ہاں ، نہ جانے کہاں کہاں سے آتے رہتے ہیں ، اپنے ، غیر سب ہی پیام بھیج رہے ہیں !"

" پھر کہہ کیوں نہیں دیتیں اللہ کا نام لے کر ؟"

" کر تو دوں لیکن مشکل یہ ہے کہ تم سے کیا پردہ ، ہم لوگ ٹھہرے غریب ، امیروں کا پیام منظور نہیں کر سکتے ، اس لیے کہ ان کی برابری

نہیں کر سکتے ۔ نہ ان کا حسبِ منشا جہیز دے سکتے ہیں ——

" ہاں خدا غارت کرے، یہ بڑی بری عادت ہو گئی ہے لوگوں میں!

" وہی تو کہتی ہوں —— کئی امیر گھروں کے پیام آئے، بعض لوگ مجھے پسند بھی تھے، لیکن دل نے یہی کہا ان لوگوں سے نباہ نہیں ہو سکتا، انکار کر دیا، مثال تمہارے سامنے ہے خالدہ کی!"

" ہاں وہ تو ہے ۔"

" غریب لیکن شریف گھرانوں کے بھی کئی پیام آئے، ان میں بھی کچھ لوگ پسند ہیں، لیکن اب تک کوئی ایسا نظر نہیں آیا جو میری بچی کو سکھ سے رکھ سکنے کے قابل ہو ۔؟"

" یہ کیوں بھلا؟"

" کم سے کم اس کی آمدنی ہزار بارہ سو کی تو ہو، ویسے اس زمانے میں ہزار بارہ سو کی بھی کیا حقیقت ہے؟ ادھر آیا ادھر گیا ۔"

" بالکل ٹھیک کہتی ہو بہن!"

" بس اسی ادھیڑ بن میں بچی کی عمر نکلی جا رہی ہے!"

" تمہاری بھی باتیں، کون سی بوڑھی ہوئی جا رہی ہے ارجمند ابھی سے ۔!"

" اے ماشاءاللہ ۲۳ ویں سال میں قدم رکھ دیا اس نے!"

"یہ بھی کوئی عمر ہوتی ہے!"

"مرد تو اس عمر میں بھی لڑکا ہی بنا رہتا ہے، لیکن بی بی، لڑکی کے لیے یہ عمر بڑی خطرناک ہے!"

"اچھا تو ایک بات سُنو خوب غور سے!"

"سن رہی ہوں کہو!"

"ایک عزیب لڑکے کی طرف سے میں پیام دیتی ہوں، کیا منظور کر لوگی ——؟"

(دل میں سب کچھ سمجھ کر، اور بہت خوش ہو کر) "یہ تو سوچ کر جواب دوں گی لیکن کون ہے وہ لڑکا؟"

"ہے ایک —— بڑا نیک، بڑا شریف!"

"آخر اس کا خاندان کون ہے؟ نام کیا ہے؟ کرتا کیا ہے؟ یہ سب بھی تو معلوم ہونا چاہیئے!"

"خاندان وہی ہے جو تمہارا ہے! —— اور نام بھی اس کا جانتی ہو!"

"میں تو نہیں جانتی!"

"یہ لو"، اتنے تو گن گایا کرتی ہو انور کے اور نہیں جانتیں، تم بھی بڑی سیانی ہو!"

"کون اپنا انور ؟"

"ہاں بھئی وہی !"

امجدی بیگم پر اس وقت وجد و سرور کی کیفیت طاری تھی، وہ وفورِ مسرت سے جامے سے باہر ہوئی جا رہی تھیں، جی چاہ رہا تھا اختری خانم کو گلے سے لگا لیں، اور پیار کرنے لگیں جس مقصد کے لیے وہ اتنے دنوں سے ٹھہری ہوئی تھیں، کتنی آسانی سے وہ حاصل ہو گیا تھا۔

اختری خانم نے تقاضا کیا ۔

"ارے جواب دو بہن !"

وہ سنجیدگی سے بولیں ۔

"جواب کیا دوں ؟ تمھیں ارجمند پر اتنا ہی حق ہے جتنا انور پر، جب چاہو قاضی کو بلاؤ، اور دو بول پڑھا دو ۔"

اختری خانم نے مسرور نظروں سے امجدی کو دیکھا اور پوچھا ۔

"تو پھر بات پکّی ہو گئی ؟"

امجدی بیگم بولیں ۔

"یہ تم جانو ——— لیکن ایک سوال کا تمھیں بھی جواب دینا پڑے گا !"

"میں تیار ہوں، پوچھو، کیا پوچھتی ہو ——؟"

"کیا تم نے انور کی رائے بھی معلوم کر لی ہے؟ ایسا نہ ہو اسے یہ رشتہ منظور نہ ہو۔؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولیں ۔

"کوئی اور ہوتا تو اتنے صاف الفاظ میں نہ کہتی، لیکن تم سے اپنایت ہے اس لیے کہتی ہوں کہ یہ پیام میں نے انور ہی کے کہنے سے دیا ہے ۔! ——— بڑا خراب زمانہ ہے، بغیر رضامندی اور پسند کی شادی تو ایک جنجال ہے خدا دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے!"

اب امجدی بیگم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ اطمینان سے پان بنانے لگیں اختری خانم کے لیے!

(۱۵)

جس وقت امجدی، اور اختری میں باتیں ہو رہی تھیں، اسی وقت ارجمند اور نشاط بھی، انور کے کمرے میں باتیں کر رہی تھیں، انور بھی موجود تھا اور گفتگو میں دلچسپی کے ساتھ حصّہ لے رہا تھا۔

نشاط نے کہا۔

"صفیہ آپا بہت خفا ہیں ہم لوگوں سے!"

ارجمند بولی۔

"نہ جانے کیا سمجھتی ہیں اپنے آپ کو!"

انور نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا۔

" بھئی وہ ہمیشہ سے زود رنج، اور ضرورت سے زیادہ حساس ہے، خالدہ تک سے بگڑ جایا کرتی تھی -

ارجمند نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا -

" سبحان اللہ کیا شانِ اخلاق ہے —— آپ کی سالی واقعی کمال کی خاتون ہیں! خدا نظرِ بد سے بچائے!"

انور ہنسنے لگا، اس نے کہا -

اب سالی اور بہنوئی کا رشتہ کہاں، صرف لفظی رشتہ رہ گیا ہے، اصل رشتہ تو خالدہ کے ساتھ گیا -

ارجمند نے سوال کیا -

" صفیہ کی باتوں پر آپ کو غصہ نہیں آیا ؟"

نشاط نے سوال کیا -

" تمہیں آیا تھا ؟"

وہ کہنے لگی -

" ہاں آیا تھا ؟"

" پھر تم نے قتلِ عام کیوں نہیں شروع کر دیا ؟

" بھئی مجھے کیا حق تھا "

" کیوں ؟ —— یہ کیا کہا تم نے ؟"

" میں ٹھہری ایک حقیر فقیر مہمان، وہ ٹھہریں عالی مرتبت اور عالی شان بیگم، اگر کچھ بولتی تو شامت نہ آجاتی مجھ غریب کی!"

"کس کی مجال تھی کہ تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا؟"

"کیا کر لیتیں تم؟"

"آنکھیں نکلوا لیتے اس کی!"

"تو جاؤ صفیہ بیگم کی آنکھیں ابھی نکلواؤ جاکر، انھوں نے ٹیڑھی آنکھوں سے دیکھا تھا مجھے!

نشاط ہنسنے لگی، پھر گویا ہوئی۔

"میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے وہ تم سے جلتی ہیں کچھ ––؟"

"ہاں –––– لیکن نہ جانے کیوں؟ بھلا میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے ––؟"

"اب تک نہیں بگاڑا ہے، تو کچھ ان کے بعد بگاڑ لوگی!"

ارجمند نے انجان بن کر، اور اس لطیف اشارے سے بالکل بے خبر ہو کر پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم ––––!

پھر وہ انور سے مخاطب ہوئی،

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔!"

انور کچھ کھویا ہوا سا تھا۔ چونک کر اس نے پوچھا۔

"کیسا سوال؟"

ارجمند نے پھر اپنا سوال دوہرا دیا۔

"صفیہ کی باتوں پر آپ کو غصّہ نہیں آیا تھا؟"

انور نے جواب دیا۔

"بہت زیادہ آیا تھا، مگر تمھاری وجہ سے خاموش رہا!"

ارجمند کچھ جھینپ سی گئی لیکن اس نے کہا۔

"میری وجہ سے کیوں؟"

انور نے بتایا۔

"میں محسوس کر رہا تھا وہ لڑائی پر تلی ہوئی ہے، میں دیکھ رہا تھا تمھیں وہ کس نفرت کی نظر سے دیکھ رہی ہے، اگر میں ذرا بھی سخت کلامی سے کام لیتا تو وہ اُبل پڑتی، بہت بدزبان ہے، ضرور وہ تمھی کو نشانہ بناتی۔ اور میں تمھاری توہین کسی قیمت پر، اور کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا، نتیجہ یہ ہوتا کہ بات بہت بڑھ جاتی!"

نشاط نے سوال کیا۔

"لیکن بھیّا آپ ارجمند کی توہین کیوں نہیں برداشت کر سکتے؟"

جواب میں اس نے کہا۔

"کیا تم کر سکتی ہو؟"

وہ بولی۔

"ہرگز نہیں!"

انور نے پھر سوال کیا۔

"تم کیوں نہیں کر سکتیں؟"

بے جھجک اور بڑی بے ساختگی کے ساتھ نشاط نے جواب دیا۔

"میں تو اس سے محبت کرتی ہوں —— کیا آپ بھی کرتے ہیں؟"

اس برجستہ سوال پر انور سٹ پٹا گیا، اس نے بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"نہایت نالائق ہو تم!"

وہ بولی۔

"وہ تو ہوں، سارا زمانہ جانتا ہے، لیکن میرے سوال کا جواب دیں"——

انور اور نشاط کے اس سوال جواب پر، ارجمند کچھ جھینپ سی گئی، اس نے پہلو بدلتے ہوئے نشاط سے کہا۔

"یہ تم نے کس طرح کی باتیں شروع کر دیں؟"

وہ بولی۔

"یہ باتیں تم سے نہیں ہو رہی ہیں، تم چپ چاپ سب کی سنتی رہو!"
رازدارانہ تبسم کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"اچھا تم باتیں کرو ہم تو جاتے ہیں"
یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، نشاط نے دامن پکڑ کر اسے روکا اور کہا۔

"خفا ہو گئیں؟"
ارجمند نے کھڑے کھڑے اسے گھور کر دیکھا، پھر مسکرا دی اور بیٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں"——
نشاط نے پوچھا۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تم سے محبت نہ کروں؟"
وہ کہنے لگی۔

"یہ کس طرح چاہ سکتی ہوں جبکہ میں خود تم سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں!"
نشاط نے پھر ایک سوال کر ڈالا۔

"اچھا تو کیا تم یہ چاہتی ہو کہ بھیا تم سے محبت نہ کریں!"
ارجمند پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

"پھر آگئیں تم اپنی اوقات پر، ہمیں یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں —

واہ —!"

انور نے مداخلت کرتے ہوئے ارجمند سے کہا۔

"یہ لڑکی جس کا نام نشاط ہے نہایت احمق واقع ہوئی ہے، اس کی بات کا اگر آپ نے بُرا مانا تو یہ آپ کی زیادتی ہوگی!"

نشاط نے فیصلے پر دہلا لگاتے ہوئے کہا۔

"صرف زیادتی ہی نہیں حماقت بھی ہوگی!"

نشاط، ارجمند، انور سب کھلکھلا کر ہنس پڑے!

انور نے ارجمند سے کہا۔

"آپ کو اب میری بات کا یقین آیا؟"

"وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"آگیا" ——

نشاط نے پوچھا۔

"اور میری بات کا یقین نہیں آیا؟"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی۔

"بالکل نہیں!"

نشاط نے کہا۔

بی ارجمند ایک بات خوب اچھی طرح کان کھول کر سُن لو ؟"
وہ بے پروائی سے بولی -
" میں نہیں سُنتی !"
نشاط نے اصرار کرتے ہوئے کہا -
" سُننا پڑے گی !"
وہ راضی ہوگئی -
" اچھا کہو ——— لیکن شرارت کی اجازت نہیں ہے !"
نشاط نے سنجیدہ چہرہ بناکر کہا -
" وہ بات یہ ہے کہ اب تم جال میں پھنس چکی ہو، لاکھ نکلنا چاہو
نکل نہیں سکتیں ؟"
سب کچھ سمجھ جانے کے باوجود انجان پن سے ارجمند نے نشاط کو
دیکھا اور پوچھا -
" جال ——— ؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم ؟"
نشاط نے سرخوشی اور مسرت کے عالم میں کہا -
" محبت کا جال "———
انور نشاط کا ساتھ دیتے ہوئے بولا -
" نشاط نے اگر محبت کے جال میں آپ کو پھانسا ہے، تو پھر آپ کو

اسے توڑنے یا اس سے نکلنے کی کوشش بھی نہ کرنی چاہیئے !"

کچھ عاجز اور بے بس ہوتے ہوئے ارجمند نے بڑی معصومیت اور بھولپن سے کہا۔

"نہ جانے آپ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، میری سمجھ میں تو خاک نہیں آیا۔"

نشاط نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ضرور ہے کہ تمام باتیں اسی وقت سمجھ میں آجائیں، ہو سکتا ہے کہ جو بات اس وقت سمجھ میں نہیں آرہی ہے کل، پرسوں یا ہفتہ بھر کے بعد آجائے !"

انور نے پھر نشاط کا ساتھ دیا اور ارجمند سے کہا۔

"ہاں یہ تو ہو سکتا ہے، اس پر تو آپ کو بھی اعتراض نہ ہونا چاہیئے

پھر اس نے ارجمند کا جواب سنے بغیر نشاط سے حاکمانہ لہجہ میں کہا۔

"چائے ——— فوراً !"

وہ مسکراتی ہوئی چائے بنانے چلی گئی !

(۱۶)

نشاط و مسرت، اطمینان و دل جمعی، اور حصولِ مقصد کی کیفیت بھی
مختلف انسانوں پر مختلف طرح سے اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ معلوم کر کے کہ اختری خانم ارجمند کا رشتہ انور سے منظور کر چکی ہیں، امجدی بیگم کی آسودگی کی یہ کیفیت تھی کہ بستر پر لیٹتے ہی گھوڑے بیچ کر سونے لگیں، اتنی گہری اور مسلسل نیند انھیں سالہا سال سے نہیں آئی تھی، ارجمند کے لیے کوئی موزوں رشتہ اب تک نہیں مل سکا تھا، اس غم نے ان کا دن کا چین اور رات کی نیند اُڑا دی تھی اگر فطری طور پر ان میں مشاہے کی غیر معمولی صلاحیت نہ ہوتی تو دافعی

گھل کر اب تک وہ کانٹا بن چکی ہوتیں، اسی صلاحیت نے تو انہیں دبلا
نہیں کیا تھا، لیکن غیر معمولی طور پر موٹا ہونے سے محفوظ رکھا تھا۔

امجدی بیگم بیوہ تھیں، شوہر انتقال کے بعد صرف اتنی
جائداد چھوڑ گئے تھے کہ دال روٹی چل سکے، ارجمند اگرچہ صورت
شکل کی اچھی تھی، لیکن نہ زیادہ تعلیم یافتہ تھی، نہ اس کے پاس جہیز
کا انبار تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اوضاع و اطوار ہی
اس کے خاندان میں کچھ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھے جاتے تھے
نہایت اکھڑ اور بد مزاج تھی، اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتی تھی، کسی
کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، نہ چھوٹوں کا ادب، نہ بڑوں کا لحاظ،
امور خانہ داری سے ضرور واقف تھی، لیکن ساتھ ساتھ انتہائی
سازشی، دروغ گو، مطلب پرست، قرض لینے میں طاق، قرض نہ
دینے میں ماہر، جس سے ایک دفعہ لے لیا پھر واپسی کا سوال ہی
نہیں پیدا ہوا، اگر کسی نے تقاضا کیا تو طعنوں، اور جگر خراش
الہنوں کے حربوں سے مسلح ہو کر لڑائی کو موجود، نہایت فضول خرچ
اوّل تو تھا ہی کیا، اور جو کچھ تھا بھی، اسے برتنے کا سلیقہ بالکل نہیں
آتا تھا، یہی وجہ تھی آج تک کہ اس کی عمر ۲۳ سال کی ہو چکی تھی، صرف
دو پیام آئے تھے، اور وہ بھی صرف رسمی طور پر یعنی ایک مرتبہ پیام

دیکھنے کے بعد، نہ تقاضا کیا گیا نہ یاد دہانی کی گئی، نہ اصرار کیا گیا، نہ "گھر کی دھول" لی گئی، چنانچہ بات جس طرح شروع ہوئی تھی اسی طرح ختم بھی ہو گئی۔

یہ غم تھا، جو امجدی بیگم کو کھائے جا رہا تھا۔

لیکن بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، خالدہ کا انتقال ہو گیا، امجدی بیگم مع اپنی دختر بلند اختر کے پٹنہ سے کے بیسے آئیں، اور ڈیرا ڈال کر بیٹھ گئیں، صرف یہی ایک گھر تھا، جہاں انھیں اپنی دال گلتی نظر آ سکتی تھی نشاط نہایت سادہ لوح لڑکی تھی، اختری خانم کو بڑی آسانی سے بے وقوف بنایا جا سکتا تھا، اور انور کے بارے میں تو سب جانتے تھے کہ زن مرید قسم کا آدمی ہے، گھرانا بھی اچھا خاصا کھاتا پیتا تھا، اگر یہاں ارجمند کی قسمت لڑ جاتی، تو اس سے بڑھ کر خوش بختی اور کیا ہو سکتی تھی۔

اور آج وہ خوش بختی ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی!

امجدی بیگم نے گھر میں قدم رکھتے ہی ارجمند کو سمجھا دیا تھا۔

"بیٹی یہ آخری اور بہترین موقعہ خدا نے دیا ہے، اگر انور کو تم نہ جیت سکیں، تو میرا کیا ہے آج مری کل دوسرا دن، تم زندگی بھر یوں ہی کنواری بیٹھی رہو گی!"

ویسے تو یہ باتیں سُن کر ارجمند ان سے لڑ گئی تھی لیکن حقیقتاً ایک ایک حرف اس کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔

اس نے بھی غور کیا تو محسوس کیا، اگر انور کو نہ جیتا جا سکا، تو یہ ساری زندگی ویران ہی گزرے گی۔

یہ سوچنے کے بعد وہ بالکل اور یکسر بدل گئی۔

وہی ارجمند جو اپنے گھر میں نہایت دریدہ دہن گستاخ، کام چور، بے پروا، اور نالائق تھی، دفعتاً اتنی کامی بن گئی کہ سارے گھر کا بوجھ اپنے دوشِ ناتواں پر اُٹھا لیا۔

جس کی ذرا ذرا سی بات پر تیوری چڑھ جاتی تھی وہ اتنی ہنس مکھ خوش طبع، اور بذلہ سنج بن گئی کہ سارے گھر کو قہقہہ زار بنائے ہوئے تھی۔

جو پرلے درجہ کی بے پروا اور الھڑ تھی، اس نے نہ صرف گھر کا سارا کام سنبھال لیا بلکہ اختری خانم کی خدمت کی تمام گراں بار ذمہ داریاں اپنے اوپر لے لیں، اور اس خوبی کے ساتھ کہ اُٹھتے بیٹھتے اختری خانم کی زبان اس کے لیے دعائے خیر و برکت اور ترقیِ عمر و اقبال کے لیے وقف ہو کر رہ گئی۔

جو بڑی نک چڑھی تھی، اس نے ایسی خوبی سے نشاط کو شیشے میں

متاثرا کہ وہ اس کا کلمہ پڑھنے لگی ——— !
یہی سب باتیں تھیں جن کا اثر اختری، نشاط اور انور پر یکساں پڑا -

اختری خانم یہ محسوس کرنے لگیں کہ نشاط تو شادی کے بعد اپنے گھر چلی جائے گی، اگر ارجمند بہو بن کر آجائے تو اپنی خدمت اور محبت سے نشاط کی کمی ذرا بھی محسوس نہیں ہونے دے گی ۔

نشاط نے یہ سوچا، ایک بھاوج مرحومہ (خالدہ) تھیں، جو ہمیشہ اپنے آپ کو بیے دیئے رہتی تھیں، جن کے سامنے پہنچکر ہمیشہ اپنے چھوٹے پن اور ان کے بڑے پن کا احساس ہوتا تھا، اس لیے "باادب، باملاحظہ، ہوشیار" رہنا پڑتا تھا، ایک ارجمند ہے کہ جان سے زیادہ سہیلی، ہمدم اور ہمراز بن گئی ہے، ہر وقت چہچہے قہقہے، ہنسی دل لگی کی باتیں، باہمی بے تکلفی، اعتماد، اعتبار، سرگوشیاں، دل کی باتیں، ماضی، حال، اور مستقبل کی تصویریں ——— یہ چیزیں خالدہ سے تو حاصل ہی نہیں ہو سکتی تھیں، لیکن اگر ارجمند اس کی جگہ لے لے، اور ہمیشہ کے لیے اس گھر کی بن جائے تو کتنا اچھا ہو زندگی کس مزے اور شان سے گزرے گی ———؟

اور انور کے بارے میں امجدی بیگم نے واقعی بڑی صحیح اور

پختگی کی رائے قائم کی تھی ۔

واقعی وہ ان لوگوں میں تھا جنہیں "زن مرید" کہا جاتا ہے، یہ اس کی فطرت بھی تھی، اور کمزوری بھی، یہی وجہ ہے کہ زیادہ عرصے تک وہ خالدہ کا سوگ نہ منا سکا، یا یوں سمجھنا چاہیئے، کہ اس سوگ کے راستے میں ارجمند ایک سنگِ گراں بن کر حائل ہو گئی ۔

جس روز پہلی مرتبہ اس کی نظر ارجمند پر پڑی تھی، اسی دن اس نے ایک کشش سی محسوس کی تھی اس پیکرِ رنگ و بو میں ۔

پھر جتنی جتنی ملاقاتیں بڑھتی رہیں، مجلس طرازیوں کا سلسلہ دراز ہوتا رہا، خالدہ کی یاد اس کے دل سے محو ہوتی گئی، اور ارجمند کی تصویر اس کے نہاں خانۂ دل میں متمکن ہوتی چلی گئی !

ارجمند کو اپنے جس ہنر اور فن کا احساس تک نہ تھا وہ اس گھر میں آ کر اس نے اس خوبی اور کمال کے ساتھ استعمال کیا کہ اپنی ذہانت اور فراست پر وہ خود دنگ ہو کر رہ گئی ۔

اس گھر میں قدم رکھتے ہی، نشاط کے مزاج، اختری خانم کے عادات، اور انور کے طور طریق کا اندازہ کرنے میں اسے دیر نہ لگی، اور اس نے محسوس کر لیا یہی گھر ہے جو اس کا مستقل نشیمن بن سکتا ہے، اور جہاں اس کی دال بہت اچھی طرح گل سکتی ہے، یہی

سوچ کر اس نے ان لوگوں کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تھی۔
لیکن اپنی کوشش میں اس قدر جلد، اور اس درجہ وہ کامیاب ہو جائے گی، اس کا تو اسے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔
بہت مختصر سی مدّت میں اس نے انور، نشاط، اور اختری خانم کو اپنی مٹھی میں اس طرح جکڑ لیا تھا جس طرح مکڑی اپنے جال میں مکھی کو جکڑ لیتی ہے، اب صورتِ حال یہ تھی کہ اگر کوئی اس جال سے نکلنے کی کوشش بھی کرتا تو کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔!
اور آج جو باتیں ہوئی تھیں!
جس طرح نشاط نے چھیڑ چھاڑ میں، اپنا عندیہ ظاہر کیا تھا، اور جس طرح انور نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کی تھی، اس کے بعد تو کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہ رہ گیا تھا۔
اس کامیابی کا اثر امجدی بیگم پر تو یہ پڑا تھا، کہ وہ خوابِ خرگوش میں مبتلا ہو گئی تھیں، اور نہایت ٹھاٹھ سے بڑھاپے میں جوانی کی نیند سو رہی تھیں، اور ارجمند پر اس کا اثر یہ پڑا تھا کہ اس کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔!
اس کے کان میں بار بار نشاط کی باتیں گونج رہی تھیں۔
اس کی نگاہ کے سامنے بار بار انور کی تصویر آ رہی تھی۔
وہ اپنے خیال کی دنیا میں بار بار اپنے مستقبل کی تعمیر کرتی تھی،

اور اس میں ردّ و بدل کرنے لگتی تھی۔

ایک ویرانے سے اٹھ کر دفعتاً وہ ایک چمن بے خزاں میں آجائے گی!

تنہائی کی زندگی ختم ہو جائے گی، اس کی زندگی میں کوئی داخل ہوگا، اور اس طرح داخل ہوگا کہ وہ فخر سے اپنا سر اونچا کر سکے گی ——!

اب تک تو حالت یہ تھی کہ غربت اور فلاکت میں بسر ہو رہی تھی، اور اب ——؟

اب وہ ایک کھاتے پیتے خوش حال گھر کی مالک ہوگی جہاں اس کا حکم چلے گا، جہاں اس کی بادشاہت ہوگی، جہاں اس کی فرماں روائی کو چیلنج کرنے کی کسی میں جرأت نہیں ہوگی۔

پھر اس کی نگاہِ تصوّر کے سامنے نشاط کی تصویر اُبھری۔

اس نے سوچا، یہ چھوکری بہت جلد بیاہ کر کسی دوسرے گھر میں چلی جائے گی، یہاں جب بھی آئے گی مہمان بن کر رہے گی، اور —— اور میری دستِ نگر!

وہاں میری دستِ نگر ——!

میرے سامنے چوں بھی نہیں کر سکے گی۔ بالکل اسی طرح جس

طرح خالدہ کے سامنے اسے مجالِ دم زدن نہیں تھی !

نشاط کی تصویر تحلیل ہو گئی، اور اختری خانم، اپنے بڑھاپے اور گٹھیا کے ساتھ اس کے تصور کی دُنیا میں لنگڑاتی اور آہ آہ کرتی داخل ہوئیں۔

وہ مسکرانے لگی :

اس نے سوچا، یہ بڑی بی میرے انگوٹھے کے نیچے ہوں گی، ان کی کیا مجال ہے کہ میرا مقابلہ کر سکیں، !

ایک میان میں دو تلواریں، ایک شہر میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، اسی طرح اس گھر میں ارجمند اور اختری کی مشترک حکومت نہیں قائم ہو سکتی، حکومت میں کروں گی اطاعت وہ کریں گی —— !

اختری خانم، کمر پہ ہاتھ رکھ اپنا گٹھیا زدہ گھٹنا سہلاتی دنیائے تصور سے رخصت ہوئیں، اور انور نمودار ہوا، !

انور —— جس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو چکی ہے، جو ہزار جان سے اس پہ فریفتہ ہو چکا ہے، جو زندگی بھر کا خط غلامی لکھنے کو تیار ہے !

اس کے تبسم میں فخر، غرور، اور ناز کی کیفیت نمایاں تھی، وہ سوچنے لگی۔

امّی کہتی تھیں، میں بدنصیب ہوں، منحوس ہوں، مجھے کوئی دُولھا نہیں جڑے گا، مجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔

اور ان کی یہ بات سچ بھی تھی!

واقعی مجھے کسی نے نہیں پوچھا۔

میرے لیے کسی کا دل نہیں دھڑکا،

کوئی گھر بھی ایسا نہیں تھا جس نے اپنا دروازہ میرے لیے کھول دیا ہو۔

لیکن کیا اب بھی یہی کیفیت ہے؟

کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے؟ کیا انور کی بیوی بننے کے بعد بھی میں بدنصیب اور منحوس رہوں گی،!

اچھا صبح ہو لے تو امّی سے پوچھوں!

پھر وہ رضائی سے منہ ڈھانپ کر پڑ رہی!

(۱۷)

دوسرے روز ارجمند کی آنکھ دیر سے کھلی۔ خاصا دن چڑھ چکا تھا۔ ناشتہ کا وقت آیا تو انور نے ارجمند کو بھی بلوایا، اور نشاط سے کہا جلدی سے ناشتے کا بندوبست کرو، نشاط ناشتے کا انتظام کرنے چلی گئی، ارجمند اور انور تنہا رہ گئے!

انور نے سگریٹ سلگایا، اور ایک زوردار کش لگاتے ہوئے کہا۔

"نشاط اتنی شریر ہے کہ اس کی موجودگی میں بات کرنا مشکل ہے، اب وہ چائے لینے گئی ہے آئیے، ذرا کچھ باتیں اطمینان سے

کریں،!

ارجمند نے دوپٹے کا دامن مروڑتے ہوئے، شرم و حیا کی کیفیت چہرے پر طاری کرتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے ——"

انور نے جذباتیت کے ساتھ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اتنے دن آپ کو یہاں قیام کئے ہوئے ہو گئے ہیں ——"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"دن تو بہت گزر گئے، شاید آپ ہمارے اتنے طویل قیام سے اکتا گئے ہیں؟ —— اگر یہ بات ہے تو آج ہی بوریہ بستر بندھ جائے گا!"

وہ اور زیادہ سنجیدہ ہو کر گویا ہوا۔

"مجھے غلط نہ سمجھئے، نہ اتنا زیادہ شرمندہ کیجئے کہ خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤں، جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے سمجھنے کی کوشش کیجئے!"

وہ کہنے لگی۔

"بہت اچھا سمجھنے کی کوشش کروں، فرمائیے، یہی مطلب ہے آپ کا!"

انور نے سگریٹ کو پاؤں تلے مسل کر ایک دوسرا سگریٹ سلگایا اور کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اتنے دنوں کے دوران قیام میں، ہم لوگوں کے بارے میں کچھ رائے تو ضرور قائم کر لی ہو گی آپ نے؟"

وہ کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی۔

"رائے تو اسی دن قائم کر لی تھی جس دن اس گھر میں قدم رکھا تھا، لیکن اتنے طویل قیام کے دوران میں یہ ہوا کہ وہ رائے اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہو گئی!"

"کیا میں وہ رائے معلوم کر سکتا ہوں؟"

"ضرور ——— اتنے دن کے رہن سہن کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جہاں تک اماں جی (اختری خانم) کا تعلق ہے، انھیں اپنی چہیتی ماں سے زیادہ چاہنے لگی ہوں، ان کی شفقت، ان کی محبت، ان کا برتاؤ، ان کی اپنائیت، یہ وہ چیزیں ہیں جو میرے دل پر نقش ہو چکی ہیں ———"

"جی ———"

"اور جہاں تک نشاط کا تعلق ہے اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اس سے عشق ہو گیا ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا، اتنے صاف دل کی لڑکی آج تک میری نظر سے نہیں گزری، نہ اتنی اچھی لڑکی میں نے کوئی دیکھی ہے، سرتا پا خلوص، سرتا پا محبت، وہ تو اپنے سے

محبّت کرنے پر دوسرے کو مجبور کر دیتی ہے، میری سگی بہن بھی اگر کوئی ہوتی تو شاید میں اس سے اتنی محبّت نہ کرتی جتنی نشاط سے کرتی ہوں!

"یہ مجھے یقین ہے! —— لیکن"

"لیکن کیا؟"

اس گھر میں صرف اماں جی، اور نشاط ہی کا قیام تو نہیں ہے، ایک اور بھی گمنام اور حقیر سا شخص رہتا ہے اس کا ذکر تو آپ نے کیا نہیں، اس کے بارے میں بھی تو کوئی رائے رکھتی ہوں گی آپ؟"

وہ سمجھ تو گئی، لیکن انجان بن کر، اور چہرے پر معصومیت کی کیفیت طاری کر کے اس نے پوچھا۔

"کس گمنام اور حقیر شخص کا ذکر کر رہے ہیں آپ؟"

انور نے بتایا —

"اس شخص کو لوگ انور کے نام سے یاد کرتے ہیں!"

وہ ہنس پڑی اور گویا ہوئی۔

"ہٹیئے بھی —— ایسی باتیں نہ کیا کیجئے،!"

"اچھا نہیں کروں گا، لیکن اپنی رائے تو بتایئے!"

"رائے کیا بتاؤں؟"

" آپ اماں جی کے متعلق ایک رائے رکھتی ہیں، نشاط کے بارے میں ایک رائے رکھتی ہیں، اماں جی کے بیٹے اور نشاط کے بھائی کے بارے میں کوئی رائے نہیں رکھتیں؟"

" کیوں نہیں رکھتی، ؟"

" وہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں!"

" (ایک ادا کے ساتھ) تو یہ ہی کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟"

" آپ کی رائے!"

" آپ بتائیے کیا ہو سکتی ہے میری رائے ؟"

" میں کیا جانوں ؟ ——— ہاں اپنے بارے میں میری رائے پوچھئے تو بتا دوں ؟"

" بتائیے تو سہی ———

" لیکن پہلا مطالبہ تو میرا ہے، میری فرمائش کی تعمیل کر دیجئے پھر میں آپ کا ارشاد پورا کر دوں گا!"

" آپ تو پریشان کرتے ہیں خواہ مخواہ لوگوں کو!"

" بات میری آپ کی ہو رہی ہے لوگوں کا کیا ذکر ؟"

" اچھا مجھی کو سہی!"

" میرے سوال کا جواب دیجئے، پھر پریشان نہیں کروں گا!"

وہ بے بسی کے ساتھ کہنے لگی۔

"کیا میری رائے آپ کے بارے میں بُری ہو سکتی ہے؟"

"دُنیا میں سب کچھ ممکن ہے!"

"بے شک ممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ہے!"

"تو میں سمجھ لوں آپ کے دل میں میری جگہ ہے!"

"دیکھئے مجھ سے زیادہ سوال نہ کیجئے، ایسے نازک موضوع پر میری زبان نہیں کھل سکتی، لیکن ایک بات تو سوچنی چاہیئے تھی آپ کو!"

"کون سی بات؟"

"کیا میرے طرزِ عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میرے دل میں آپ کی کتنی عزّت اور ــــــــ"

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی آنکھیں جھک گئیں، اور چہرے پہ شرم کی سرخی نمودار ہو گئی، اور بہت کچھ پہلے سمجھ چکا تھا، اس وقت سب کچھ سمجھ گیا، اس نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ نے میری رائے تو پوچھی نہیں!"

"اس کی مجھے ضرورت نہیں ــــــ!"

"یہ کیوں؟"

"میری رائے تیرے ساتھ، آپ کی رائے آپ کے ساتھ!"

"پھر بھی سن لینے میں ہرج کیا ہے؟"

"فائدہ بھی تو کچھ نہیں!"

"کیوں نہیں؟ کیا معلومات میں اضافہ نہیں ہوتا؟"

"وہ پہلے ہی سے ہے!"

"لیکن میں جو بیتاب ہوا جا رہا ہوں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے
پھر چپ کیسے رہوں؟"

"(ہنس کر) یہ بھی اچھی زبردستی ہے!"

"آپ اسے زبردستی کہہ لیجئے، میں تو مجبوری سمجھتا ہوں!"

"مجبور تو آپ مجھے کر رہے ہیں کہ جی چاہے یا نہ چاہے لیکن
آپ کی رائے جو نہ جانے کیا ہو گی ضرور سنوں!"

"میری خاطر سے سہی!"

"(آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) لیجئے گوش بر آواز ہوں —
— ارشاد -!"

"کان قریب لائیے!"

"اے واہ کیا مجھے خدانخواستہ بہرا سمجھ رکھا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں" —

"کوئی بات بھی ہو، وہیں بیٹھے بیٹھے کہئے، میرے کان بڑے تیز

ہیں، آپ بالکل چپکے سے کہئیے، پھر بھی میں سن لوں گی!"

انور کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"ارجمند ——— میں تم کو چاہتا ہوں، پوجتا ہوں، پیار کرتا ہوں!"

ارجمند چھوئی موئی کی طرح ہو گئی، اتنے میں طوفان اور آندھی بن کر نشاط نمودار ہو گئی، اور فضا دفعتہً تبدیل ہو گئی!

(۱۸)

ناشتہ میز پر چن دیا گیا۔ نشاط، ارجمند کے پاس آکر بیٹھ گئی، سامنے کی کرسی پر انور بیٹھ گیا۔

نشاط نے ارجمند کو کچھ خاموش خاموش پاکر حیرت بھری نظروں سے انور کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"اسے کیا ہوا؟"

انور نے توس میں مکھن لگایا، اور کہا۔

"کچھ بھی نہیں!"

نشاط نے سوال کیا۔

"پھر یہ چپ چاپ کیوں ہیں! چہکتی کیوں نہیں؟"
انور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"بھوک لگی ہے، ذرا پیٹ بھر لینے دو۔!"
"اوہ یہ بات ہے! ——— کیوں ارجمند بہت بھوکی ہو؟"
وہ ذرا چڑتی ہوئی بولی۔
"ذرا ہٹ کر بیٹھو، کہیں تمہیں نہ کھا جاؤں!"
نشاط ہنسنے لگی۔
"کیا یہ فخر بھی مجھے حاصل ہو سکتا ہے؟"
ارجمند کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔
خدا کے لیے کسی وقت تو چپ رہا کرو!"
"اچھا فی الحال چیلنج ——— تو ناشتہ شروع کرو!"
پھر نشاط نے ارجمند کے سامنے ایک ایک چیز رکھنی شروع کی، اور اصرار کر کر کے زبردستی بہت کچھ کھلا دیا۔
ناشتے کے بعد کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ گفتگو زیادہ تر انور اور نشاط ہی میں ہوتی رہی، ارجمند نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔
انور نے سگریٹ کا ایک کش لگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی نشاط، تمھیں ذرا بھی مہمان نوازی نہیں آتی!"

"یہ کیوں بھیّا؟"

"ساری دنیا جانتی ہے، کشمیری چائے بنانا تمھارا اور صرف تمھارا حصّہ ہے —— کیا آج تک ارجمند کو تم نے اس نعمت سے شادکام کیا!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"جی معاف کیجیے، آج نہیں پھر کسی دن دیکھا جائے گا!"

انور نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"مہمان کا جی آج چاہ رہا ہے اور ضیافت آپ کسی اور دن کرینگی سبحان اللہ کیا حسنِ اخلاق ہے۔!"

"بھیّا ہمارا اس وقت جی نہیں چاہتا۔!"

"نہ سہی، ہمیں کیا، ذرا سی محنت سے جی چرا کر ہمیشہ کے لیے اپنے منہ پر کالک لگوا رہی ہو!"

"یہ بھی اچھی رہی —— مدعی سست گواہ چست، ارجمند نے تو آج تک کشمیری چائے کا نام بھی نہیں لیا، اور آپ ہیں کہ اس کے ترجمان بنے ہوئے ہیں!"

"اچھا بھئی نہ سہی، لڑ کیوں رہی ہو!"

پھر اس نے ارجمند سے کہا -

" کوئی بات نہیں، یہاں شہر میں ایک شخص ہے، وہ کشمیری بھی ہے، اور کشمیری چائے بھی بہترین بناتا ہے کل میں اس سے بنوا کر لاؤں گا !"

ارجمند بھائی بہن کی اس نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھی - اس نے کہا -

" مجھے کوئی ایسا شوق نہیں ہے، جانے دیجئے ۔"

انور نے بڑے جوش کے ساتھ کہا -

واہ بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے، یہ نشاط اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے ؟"

ارجمند ہنسنے لگی، نشاط نے اس سے پوچھا -

" جاؤں ، بنالاؤں ؟"

وہ بولی -

" میں کیا جانوں، تم جانو اور تمہارے بھیا جانیں !"

انور نے مداخلت کرتے ہوئے کہا -

" جی بخشیئے ، کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے !—— ذرا سی چائے بنانا کیا آ گئی ہے مزاج ہی نہیں ملتا صاحبزادی کا !"

نشاط نے ہنستے ہوئے ارجمند سے کہا -

" سن رہی ہو بھیا کی باتیں ؟"

پھر وہ انور سے کہنے لگی -

" اچھا بنائے لاتی ہوں ، لیکن یاد رکھیے ، آپ کو ایک قطرہ جو دوں ، صرف ارجمند پیے گی !"

انور نے جواب دیا -

" ہمیں خود اب غیرت آچکی ہے ، خوشامد کرو ، ہاتھ جوڑو ، پاؤں پڑو ، تو بھی ایک قطرہ نہ چکھیں ، سمجھا کیا ہے ہمیں !"

وہ ہنستی ہوئی اٹھی -

" ابھی معلوم ہو جائے گا "

اس کے جانے کے بعد انور نے ارجمند سے کہا -

" کشمیری چائے تو واقعی نشاط بہت اچھی بناتی ہے ، لیکن اس وقت ذرا دیر کے لیے میں نے اسے ٹالا ہے تاکہ ایک بات تم سے معلوم کر لوں ، !"

ارجمند نے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا ، اور انتظار کرنے لگی کہ کیا کہتا ہے ؟

انور نے کہا -

"کیا تم مجھ سے کچھ خفا ہو؟"

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ بولی -

"بالکل نہیں" ———

انور نے پھر سوال کیا -

"کیا میرے الفاظ تمہیں ناگوار تو نہیں گزرے؟"

وہ اس لب و لہجہ میں گویا ہوئی -

"ہوتے تو یہاں بیٹھی نہ رہتی ———

انور نے پوچھا -

"تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ———

وہ جھلاتی ہوئی بولی -

"اس کے جو معنی ہیں وہ آپ بھی جانتے ہیں، میں بھی جانتی ہوں، بس اب اس گفتگو کو بند کیجئے، ،"

انور نے التجا کے لہجے میں کہا -

"بس صرف ایک بات اور ———

ارجمند نے منہ سے کچھ نہیں کہا منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی -

انور نے اپنی قوتِ گویائی کو مجتمع کرتے ہوئے کہا -

" پھر میں امّی جان سے کہے دیتا ہوں کہ وہ خالہ (امجدی بیگم سے)
جلد از جلد کوئی تاریخ طے کر لیں ۔ !"
ارجمند نے کوئی جواب نہیں دیا ۔
انور کچھ دیر منتظر رہا ، مگر جب دیکھا ارجمند خاموش بیٹھی ہے
کچھ بولتی ہی نہیں ، تو پھر اس نے کہا ۔
" تمھیں اعتراض تو نہیں ہو گا کچھ !"
وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی ۔
" بزرگوں کے معاملے میں دخل دینا میں نے سیکھا ہی نہیں ہے !"
اتنے میں نشاط کشمیری چائے بنا کر لے آئی ۔ انور نے ارجمند
سے کہا ۔
" ذرا رنگ دیکھو ، صرف یہ رنگ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ پوری
کیتلی اُلٹ لی جائے !"
نشاط نے پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا ۔
" کیتلی شوق سے اُلٹ لیجیے ، مگر چائے ملنے سے رہی !"
سامنے رکھی ہوئی پیالیوں میں سے ایک انور نے اُٹھائی ،
اور ارجمند سے کہا ۔

"بسم اللہ ——— نشاط کو صرف بنانے کا شوق ہے
پیتی نہیں، یہ تیسری پیالی بھی ہم دونوں آدھی آدھی پی لینگے!"
ارجمند کو اس زور کی ہنسی آئی کہ اچھو ہوگیا۔

(۱۹)

کشمیری چائے کا دَور چل رہا تھا اور دل لگی کی باتیں ہو رہی تھیں کہ صفیہ اندر داخل ہوئی ، اسے دیکھ کر انور، نشاط ، اور ارجمند سب پر سکوت سا چھا گیا ۔

انور نے اخلاق و تواضع کی نمائش کرتے ہوئے کہا ۔

" آؤ صفیہ بیٹھو ــــــــ چائے پیو ! "

وہ بولی ۔

" شکریہ ــــــــ ناشتہ بھی کر چکی ہوں ، اور چائے بھی پی چکی ہوں ! "

نشاط نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجتبیٰ صفیہ باجی ہمارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پئیں گی؟"

صفیہ پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔

"نشاط یہ تمہارے دل کا چور ہے، ورنہ کیا بارہا تم نے اصرار کر کے کشمیری چائے بنا بنا کر نہیں پلائی ہے، اور میں نے نہیں پی ہے؟"

وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی، کہنے لگی۔

"پھر آج کیا بات ہے جو آپ انکار کر رہی ہیں؟"

وہ بولی "اگر تمہارا اصرار ہے تو لاؤ پیئے لیتی ہوں —— ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی پی کر آئی ہوں"

اتنے میں ارجمند نے پیالی بنا کر اس کی طرف بڑھا دی، اس نے دزدیدہ نگاہوں سے ارجمند کو دیکھا، اور پیالی لے کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔

پیالی ختم کرنے کے بعد اس نے انور سے کہا۔

"بھائی جان ٹیکسی آچکی ہے، اب میں جا رہی ہوں"

انور کچھ سٹ پٹا سا گیا، اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا آج ہی؟"

وہ بولی۔

"جی ہاں —— چھوت کی بیماری ہے کہیں خدانخواستہ پھیل نہ جائے، میں یہ خطرناک ذمے داری اپنے سر نہیں لینا چاہتی نشاط بیٹھی رہو گھبراؤ نہیں، جراثیم کش صابون سے خوب اچھی طرح نہا دھو کر آئی ہوں، کم از کم مجھ سے تم لوگوں کو کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے!"

یہ الفاظ تیر و نشتر بن کر دل و جگر پر لگ رہے تھے، مگر ان کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

انور نے کہا۔

"صفیہ مجھے اس کا بہت افسوس ہے کہ اس مرتبہ تم خفا ہو کر جا رہی ہو!"

وہ اس وقت بہت متاثر تھی، اس نے کہا۔

"بھائی صاحب یہ آپ کا غلط خیال ہے، میں کسی سے خفا نہیں ہوں، نہ خفا ہونے کا حق رکھتی ہوں"

"اچھا، کیا بارہا مجھ سے خفا نہیں ہو چکی ہو، اور میں نے منایا نہیں ہے تمھیں؟"

"وہ زمانہ اور تھا، جب آپا زندہ تھیں، جب ہمارا آپ کا رشتہ

تھا، اور وہ رشتہ نہایت اٹوٹ تھا، لیکن وہ اٹوٹ رشتہ اب ٹوٹ چکا ہے، اب ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے، !"

ایسا نہ کہو، صفیہ، مجھے دکھ ہوتا ہے !"

" یہ باتیں کر کے مجھے بھی کم دکھ نہیں ہو رہا ہے لیکن بھائی صاحب اپنی طبیعت کو کیا کروں، لاکھ کوشش کرتی ہوں، جھوٹ بولنے اور زمانہ سازی پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر پاتی ——— ہاں تو میں کہہ یہ رہی تھی، اب ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن جو رشتہ رہ چکا ہے، اس کے اثرات، کسی نہ کسی درجہ میں زندگی بھر باقی رہیں گے"! اس مغائرت اور اجنبیت کے باوجود، جو ہم میں پیدا ہو گئی ہے، سچے دل سے میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، میں آپ کی خیر خواہ ہوں اور رہوں گی، اپنی چہیتی، اور مرحوم بہن کے شوہر کی میں بدخواہ اور دشمن نہیں ہو سکتی، کبھی بھی اگر میں آپ کی یا اس گھر کی خدمت کر سکی تو اپنا فخر سمجھوں گی، اس طرح میری مرحوم بہن کی روح کو سکھ پہنچے گا، !"

پھر اس نے، ایک سونے کا کڑا ارجمند کا ہاتھ پکڑ کر پہنا دیا اور کہا۔

" بحث و گفتگو اور انکار و معذرت کی ضرورت نہیں، خدا آپ

دونوں کو یہ نیا رشتہ مبارک کرے، یہ تو ہونا ہی تھا، ارجمند نہ ہوتی تو کسی اور سے آپ کا رشتہ ہوتا، مجھے ہرگز یہ حق نہیں حاصل ہے کہ اس سے یہ توقع رکھوں کہ آپ زندگی بھر آپا کے نام کا وظیفہ پڑھتے رہیں، دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے، یہی ہوگا، میری دعا ہے کہ آپ ارجمند کو خوش رکھ سکیں، میری آرزو ہے کہ ارجمند میری آپا کی صحیح جانشین بن سکے۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے بہت خوشی ہوگی، آپ دونوں کی شادی کے موقع پر تو میں نہیں آسکوں گی، اسی لیے اس موقع پر یہ حقیر سا تحفہ ارجمند کو نذر کرتی ہوں!"

انور مبہوت تھا، اور ارجمند کی حالت یہ تھی کہ ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا کہ صفیہ نے نشاط کی طرف رخ کیا اور انور سے کہا۔

"نشاط کی منگنی تو ہو چکی ہے، خیر سے اس کی شادی کب ہو رہی ہے؟"

انور نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"تین چار مہینے کے بعد غالباً ہوگی؟"

صفیہ نے ایک طلائی گلوبند نکالا اور نشاط کے گلے میں پہنا دیا پھر کہنے لگی۔

"نشاط سے مجھے ایک طرح کی ہمیشہ سے دل بستگی رہی ہے، یہ میرے

سامنے چھوٹی سی تھی، اب ماشاء اللہ جوان ـــــ ہوگئی ہے، اگر حالات نے اجازت دی تو اس کی شادی میں بن بلائے بھی شرکت کروں گی اور اگر کسی وجہ سے نہ آسکی تو اپنی طرف سے بیزند رانۂ خلوص پیش کرتی ہوں۔

پھر اس نے نشاط سے سوال کیا۔

"جب دولہن بنو گی، تو ہمیں بھی بلاؤ گی؟"

مگر نشاط جواب کیا دیتی؟ اس وقت اگر صفیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بے تحاشہ سب کے جوتے مارنا شروع کر دیئے ہوتے تو شاید یہ کیفیت نہ ہوتی، جو اس کے اس طرزِ عمل سے ہوئی، سب کے منہ لٹکے ہوئے تھے اور عجیب بے چارگی کے عالم میں سر جھکے ہوئے تھے!

(۲۰)

صفیہ چلی گئی!

دروازے تک پہنچانے اسے سارا گھر آیا تھا،!

اس کے رخصت ہونے کے بعد عجیب کیفیت نظر آئی، ارجمند کو یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ امجدی بیگم ایک نہایت قیمتی دوشالہ اوڑھے کھڑی ہیں، اور نشاط یہ دیکھ کر متحیر ہوئی کہ اختری خانم زرکار و زرنگار چادر میں ملبوس ہیں - اور انور نے یہ بات سراپا تحیر بن کر دیکھی کہ گھر کی ملازمہ جو عام طور پر صفیہ کا کام کاج کیا کرتی تھی، اس کے ہاتھ میں سو روپے کا ایک نوٹ لہرا رہا ہے، اور امجدی بیگم اپنی صاحبزادی

کے دستِ مبارک میں سونے کے موٹے سے کڑے کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھیں، اور اختری خانم اپنی دختر بلند اختر کے گلے میں ہزار روپے سے زیادہ کا طلائی گلوبند دیکھ کر بار بار آنکھیں جھپک رہی تھیں!

صفیہ کے رخصت ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک تو سب اپنی جگہ گم صم کھڑے رہے، پھر رفتہ رفتہ کر کے ہوش آیا، اور اپنے آپ میں آسکے۔

ارجمند نے پوچھا۔

"امی یہ دوشالہ کب خریدا تم نے؟"

وہ شرمندگی کے عالم میں گردن جھکا کر بولیں۔

"میں نے کہاں خریدا بیٹی؟ نہ جانے صفیہ کو کیا سوجھی زبردستی مجھے اُڑھا گئی!"

نشاط نے ماں کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔

"امی جان یہ" ———

وہ قطع کلام کرتی ہوئی بولیں ——— !

"ہاں بیٹی کیا کروں، صفیہ کسی طرح مانی ہی نہیں ——— اور یہ تیرا گلوبند؟"

اس نے جواب دیا۔

"یہ بھی مجھے صفیہ آپا زبردستی پہنا گئی ہیں!"

امجدی بیگم نے گویا پہیلی بوجھ لی، بیٹی کی طرف رشک بھری نظروں سے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"لیکن تجھے کس رشتے سے یہ دے گئی!"

وہ جل کر بولی۔

"جس رشتے سے آپ کو دو شالہ پہنایا ہے!"

"پھر اختری خانم نے مٹھی بھر اشرفیاں انور کی طرف بڑھاتے ہوئے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"بیٹے میں تو بہت انکار کرتی رہی"——

انور نے ذرا تلخ لہجہ میں سوال کیا۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ بولیں،

"وہی تو کہہ رہی ہوں، میں تو بہت انکار کرتی رہی، لیکن وہ مانی ہی نہیں کسی طرح"——

انور نے جھلا کر دریافت کیا۔

"یعنی اس نے زبردستی بھیک آپ کی جھولی میں ڈال دی، اور آپ انکار نہ کر سکیں؟"

وہ بھی بگڑ گئیں ،

" لڑکے کچھ ہوش میں آ ؟ ——— بھیک کیسی ، یہ رقم وہ نشاط کے دولھا کے لیے دے گئی ہے کہ اس کا اچھا سا جوڑا بنوایا جائے !"

انور نے اور زیادہ جل کر سوال کیا ۔

" اور آپ مجبور ہو گئیں کہ اس خیرات کو قبول کر لیں "

اب تو اختری خانم کو جلال آ گیا کہنے لگیں ۔

" اتنے ہی باغیرت تھے تو جب بہن کو وہ گلو بند پہنا رہی تھی ، اور ارجمند کو سونے کے کڑے اس نے دیئے تھے ، تو کیوں نہ چھین کر یہ چیزیں پھینک دیں ، مجھے چلے ہو رعب دکھانے !"

انور نے آخر تقریباً سر پیٹتے ہوئے کہا ۔

" وہ ہمیں ذلیل کر کے گئی ہے !"

پھر کہنے لگا ۔

" جب ارجمند کو اس نے سونے کا کڑا دیا ہے تو میں اس کا اخلاق سمجھا رہا تھا ، جب نشاط کو اس نے گلو بند دیا تھا تو اسے بھی میں نے پرانے تعلقات پر محمول کیا تھا ، ملازمہ کو سو روپے دے گئی ، یہاں تک بھی خیر غنیمت ہے ، لیکن یہ کیا مذاق ہے کہ آپ بھی زرنگار چادر میں لپٹی ہوئی ہیں ، اور خالہ جان بھی دوشالہ اوڑھے ہوئے ہیں ، اور سب

سے بڑھ کر یہ اشرفیاں ——— !

اختری خانم نے کہا -

" یہ اشرفیاں بھی تو اس نے نشاط کو دی ہیں !"

" آپ نے کیوں لے لیں ؟"

" تم نے گلو بند کیوں لے لیا ؟ کپڑے کیوں لے لیے !"

انور لاجواب ہوگیا، اور بالکل اتفاق سے اختری خانم کے مُنہ پر وہ بات آگئی جو اس موقعہ پر نہ آنی چاہیئے تھی، وہ کہنے لگیں -

" یہ کوئی نئی بات تو ہے نہیں، وہ جب بھی آتی تھی، جاتے وقت مجھے اور نشاط کو تحفے کے طور پر کوئی نہ کوئی چیز دے کے جاتی تھی، اس مرتبہ نئی بات صرف یہ ہوئی کہ ارجمند اور امجدی کو بھی دے گئی !"

" یہی تو جوتا ہے، جو میرے مُنہ پر پڑا ہے !"

طنز لطیف میں اختری خانم اپنا جواب آپ تھیں، کہنے لگیں -

" لیکن اس کی چوٹ بھی بہت دیر میں محسوس کی میرے بچے !"

انور نے بہت زیادہ برہمی کے عالم میں کہا -

" امی جان میں اس وقت بہت زیادہ غصّے میں ہوں !"

وہ بولیں -

" تو دیوار سامنے ہے، سر پھوڑ لو - !"

انور نے تلملا کر کہا ۔

" خدا کی قسم میں سر پھوڑ لوں گا !"

وہ گرج کر بولیں ۔

" تو انتظار کا ہے کا ، پھوڑتا کیوں نہیں ؟ ——— کیا ڈاکٹر کو مرہم پٹی کے لیے پہلے سے بلوا رکھوں ——— ؟

انور نے غرّا کر کہا ۔

" چپ رہیے !"

اختری خانم کا جوتا اتنی دیر میں پاؤں سے نکل کر انور کے چہرے پر وارد ہو چکا تھا ، انھوں نے کہا ۔

" بے غیرت کہیں کا ، مجھے غرّے ڈبے دکھاتا ہے ، ہمیشہ جورو کی ، اور سالی کی دولت سے مزے اڑاتا رہا ، جب غیرت نہ آئی ، اب چلا ہے غیرت بگھارنے وہ بھی میرے سامنے !"

جوتا تڑ سے ٹھیک گال پر وارد ہوا تھا ۔ !

سارا بدن جھنجھنا گیا ، !

انور کا بس چلتا تو اس وقت اپنی بوڑھی ماں کا گلا گھونٹ دیتا لیکن انھوں نے کچھ ایسی کھری کھری باتیں سنائی تھیں کہ اس کی ہمت پست ہو گئی تھی !

-

نشاط نے صورتِ حالات کی نزاکت کا احساس کر لیا، اس نے بھائی کا ہاتھ پکڑا، اور گھسیٹتی ہوئی اسے کمرے کی طرف لے چلی۔ انور نے زور سے بازو جھٹکا، اور اپنا ہاتھ اس کے دستِ نازک سے چھڑا لیا اور کہا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔

"چلئے اپنے کمرے میں!"

وہ کہنے لگا۔

"نہیں جاتا، کیوں جاؤں؟ کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟"

اختری خانم کی آواز پھر گونجی۔

"یہ گھر نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے، میرا ہے اور میرے باپ کا ہے، اگر ایسا ہی طرّم خاں ہے تو نکل جا یہاں سے!"

انور نے باہر کی طرف رُخ کیا۔

"جاتا ہوں ——— اب کبھی اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا!"

اختری خانم نے پھر سخت اور درشت لہجے میں کہا۔

"تو جاتا کیوں نہیں؟ سوچ کیا رہا ہے؟"

وہ تیزی کے ساتھ باہر کی طرف لپکا۔

نشاط پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی :

ارجمند نے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھا اور اس کے بازو سے لپٹ گئی ، اور روتی ہوئی بولی -

" نہ جائیے ـــــــــ

وہ جاتے جاتے رُک گیا ، ارجمند نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا -

" چلئے اپنے کمرے میں چلئے ـــــــ آئیے !"

یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی ، امجدی بیگم نے نشاط کو کلیجہ سے لگا لیا ، اور اختری خانم سے بڑے اپنایت کے لہجے میں ارشاد فرمایا -

" زیادہ غصہ نہیں کرتے ـــــــ غصہ تھوک دو بھی !"

وہ اب تک جلال کے عالم میں تھیں ، کہنے لگیں -

" غصہ کیوں تھوکوں ، لاکھ مرتبہ اسے غرض ہو گی ، تو میرے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑائے گا - اس کا ہے کیا ، جو کچھ ہے میرا ہے ، وہ میرا محتاج ہے ، میں اس کی محتاج تھوڑی ہوں !"

امجدی بیگم نے موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا -

" بے شک ، بے شک !"

اور پھر ذرا تامل کے بعد فرمایا :

"اگر سب کچھ اس کا ہوتا تو بھی تم ماں ہو، وہ بیٹا ہے، تمہارے پاؤں کے نیچے جنت ہے، اس کا فرض تھا کہ تمہارے پاؤں پکڑتا، گڑگڑاتا، اور معافی مانگتا!——"

اختری خانم خاموش رہیں - امجدی بیگم نے محسوس کیا پانی مر رہا ہے کہنے لگیں -

"لیکن مرد ذات ہے، آ گیا غصہ، مگر سچ کہتی ہوں، بہت شرمندہ ہے!"

اختری خانم نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اپنے کمرے میں آ کر نہایت اطمینان سے تخت پر تشریف فرما ہو گئیں -

امجدی بیگم بھی ان کے پیچھے پیچھے پہنچیں، جلدی جلدی پان لگایا، اور بیڑا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا -

"لو میری بہن!"

اختری خانم نے بیڑا لے کر منہ میں رکھ لیا، اتنے میں نشاط آئی، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ آتے ہی ماں کے کندھے سے لگ کر رونے لگی اور بڑے درد بھرے لہجے میں کہنے لگی -

"بھیا کو معاف کر دیجئے امی، ورنہ وہ جان دے دینگے، بہت شرمندہ ہیں!"

(۲۱)

امجدی بیگم نے سفارش کرتے ہوئے کہا۔

بہن اب تو رحم کرو۔ تمہیں بچی کے رونے پر ترس نہیں آرہا ہے، وہ کتنا وہ چاہتی ہے تمہیں اور کتنی تم فدا ہو اس پر، کیا میں جانتی نہیں؟

نشاط اسی طرح ماں کے کندھے سے سسکیاں لے لے کر روئے جا رہی تھی، اختری خانم نے آہستہ سے اسے ہٹایا، اور بولیں۔

"تجھے میں نے کیا کہا ہے، تو کیوں روئے جا رہی ہے؟"

وہ اسی طرح روتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے بھیا کی حالت نہیں دیکھی جاتی!"

اختری خانم نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔

"چپ ہو جاؤ!"

وہ ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر گویا ہوئی۔

"بھیا کو معاف کر دیجئے!"

اختری خانم برہم لب و لہجہ میں کہنے لگیں۔

"وہ اب اتنا گستاخ ہو گیا ہے کہ مجھ سے کہتا ہے چپ رہو، کبھی تمہارے باپ نے بھی میرے سامنے اکڑ کر بات کی نہیں، یہ کس کھیت کی مولی ہے۔!"

نشاط ٹھنکتی ہوئی بولی۔

"غلطی آدمی ہی سے ہو جاتی ہے امّی جان!"

وہ کہنے لگیں۔

"لیکن میں ایسی غلطیاں نہیں معاف کیا کرتی!"

وہ اب ماں پر قابو پاتی جا رہی تھی، اور اپنے غلبے کو محسوس بھی کر رہی تھی، ضد کرتی ہوئی بولی۔

"امّی جان میرا کہنا تو تم نے کبھی نہیں ٹالا، کیا میرے کہنے سے بھی

معاف نہیں کرو گی ؟"

اختری خانم کے بوڑھے ہونٹوں پر تبسم کی ہلکی سی لکیر ہویدا ہوئی، لیکن انھوں نے اسے نمایاں نہیں ہونے دیا۔ سنجیدہ ہو کر بولیں۔

" تو میرے معاملے میں دخل دینے والی کون ؟ جا بیٹھ اپنا کام کر!"

وہ اکڑ گئی، کہنے لگی۔

" امی جان جب تک آپ بھیا کو معاف نہیں کر دیں گی، مجھ پر کھانا پینا حرام ہے ———— بس جی کوئی اور نہیں آپ ہی کی بیٹی ہوں !"

اختری خانم نے زیر لب تبسم کے ساتھ امجدی بیگم سے کہا۔

" سن رہی ہو ؟"

وہ بولیں۔

" ایسی چاند سی بیٹی کا کہا بھی نہ مانو یہ تو بڑا ظلم ہے !"

انھوں نے بالکل ہتھیار ڈال دیئے۔

" بہن، نشاط جس کا نام ہے، یہ تو میری کمزوری بن کر رہ گئی ہے جو کام چاہتی ہے مجھ سے کرا لیتی ہے !"

نشاط نے فخر کے ساتھ امجدی بیگم کی طرف دیکھا، اور ماں سے مخاطب ہوتی ہوئی کہنے لگی۔

"جب ہی تو اتنی دیر سے خوشامد کر رہی ہوں، لیکن ایک نہیں سُنتیں!"

اختری خانم نے سُنی کی اَن سُنی کرتے ہوئے امجدی کو مخاطب کیا ——

"دیکھو بہن، اس کے باپ ہیرے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں!"

"ان کے پاس اللہ کے نام کے سوا کچھ نہ تھا، جو کچھ اس گھر میں دیکھ رہی ہو میں اپنے میکے سے لائی۔"

"یہ بھی مجھے معلوم ہے!"

"ان دونوں کے بچپن ہی میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ——

"ہائے ان کی بھولی بھالی صورت جب یاد آتی ہے کلیجے پر سانپ لوٹ جاتا ہے —— اللہ میاں کی گائے تھے بالکل!"

"ان کی وفات کے بعد، ان دونوں کیڑے مکوڑوں کو جس طرح میں نے پالا، اور جس ناز و نعم سے پالا میرا ہی دل جانتا ہے۔"——

"اے بہن تمہارا دل کیا جانتا ہے ساری دُنیا جانتی ہے۔"

"صاحبزادے کو پڑھایا لکھایا، بی اے کرایا، سفارشیں کیں، لیکن ہمیشہ کے کودن تھے، جس مشکل سے بی اے پاس کیا اسی مشکل

سے نوکری ملی، وہ بھی سوا سو کی، اب جا کر ڈھائی سو تک پہنچے ہیں۔"

"ہاں، ہاں"——

"یہ تنخواہ صاحبزادے ہمیشہ اپنے اوپر خرچ کرتے رہے، ان کے اور گھر کے سارے مصارف میں پوری کرتی رہی۔"

"ہاں ماشاء اللہ اور کیا۔"

"پھر ایک اونچے، بڑے، اور مالدار گھرانے میں نہ جانے کہاں کہاں سے اثر ڈال کر شادی کرائی، ورنہ خالدہ سے اس نالائق کی شادی ہو سکتی تھی؟"

امجدی بیگم اپنے ہونے والے داماد کے بارے میں یہ باتیں سن کر عرقِ ندامت میں غرق ہو رہی تھیں، لیکن جانتی تھیں، انور کی تنخواہ چاہے دو سو ہو یا ڈھائی سو، بڑی بی بی کی آمدنی مکانات اور دکانات کے کرائے سے ہزار بارہ سو سے کم کی نہیں ہے، اور وہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں، ان کے بعد یہ ساری آمدنی انور کی ہوگی، لہٰذا ان معلومات سے وہ ذرا بھی بددل نہیں ہوئیں، تائید کرتی ہوئی بولیں۔

"اور کیا"——

اختری خانم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

" خالدہ مرگئی، میں نے ارجمند جیسی پیاری گڑیا کو اس کے لیے تجویز کیا، انھیں راضی کیا، معاملات طے کیے، دل میں تاریخ تک مقرر کر دی، سچ کہنا کیا شادی میں تین چار ہزار سے کم خرچ ہوگا؟"

" اے بہن اس سے کیا کم خرچ ہوگا؟"

اختری خانم نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

" میں تو یہ سب کر دوں، اور یہ گستاخ مجھ سے کہے چپ رہیے!"

" صفیہ سے اب کا ہے کا ناتا؟ جاتے وقت اگر محبت سے، یا ظاہرداری سے اس نے ہمائے تمہائے یا نشاط اور ارجمند کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا، تو ظفر تم خاں کو اس قدر اچھل کود کی کیا ضرورت تھی؟ —— وہ بھی میرے سامنے —— میرے سامنے چلا ہے، غیرت بگھارنے، میں تو چوٹے میں منہ دے دوں ——

" اے بہن رہنے دو، معاف کرو!"

" ویسے میں بڑی ٹھنڈی ہوں، لیکن جب مجھے غصہ آجاتا ہے، تو پھر بہن نہ میں میر کی نہ پیر کی، پھر تو نٹی دبادوں جو میرے سامنے آئے، اور جو زبان چلائے اس کا خون چوس لوں!"

" ہاں کیوں نہیں ——

نشاط اب تک خاموشی سے یہ باتیں سن رہی تھی، اب پھر اس

نے دخل دیتے ہوئے کہا ۔

" لیکن امّی جان اب تو آپ کا غصّہ اُتر چکا ہے ! "

وہ بڑے تیکھے سے بولیں ۔

" اُتر چکا ہے یا نہیں اُترا ، لیکن بی نشاط اس سے (انور سے)
کہہ دینا دو چار دن میرے سامنے نہ آئے ، ورنہ اچھا نہ ہوگا ! "

وہ بولی ۔

" اچھا کہہ دوں گی امّی لیکن ذرا مسکرا تو دو ! "

پھر اس نے ماں کو گدگدانا شروع کیا ، انھوں نے مسکراتے ہوئے
ایک دو تھپّڑ رسید کیا ، اور بولیں ۔

" چل ہٹ ، ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا ! "

(۲۲)

ارجمند اور انور میں نہ جانے کیا باتیں ہوتی رہیں، نشاط پھر ماں کے پاس سے نہیں ہلی، اس کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ کسی طرح بڑی بی کا غصہ اُتر جائے، وہ ماں سے محبّت بھی کرتی تھی، اور ڈرتی بھی تھی، ماں کی جناب میں گستاخ بھی تھی، اور با ادب بھی، اس نے پوری طرح ماں کا مزاج سمجھ لیا تھا وہ اگر خوش ہوتیں تو، وہ شوخ، شریر، گستاخ سب کچھ تھی، لیکن اگر وہ جلال میں ہوں تو بھیگی بلی بن جاتی تھی، ویسے وہ اسے چاہتی بھی بہت زیادہ تھیں، انور اگرچہ لڑکا تھا، لیکن اس کا انھوں نے کبھی اتنا مان نہیں رکھا، جتنا نشاط کا رکھتی تھیں، منگنی

ہو چکنے کے باوجود اس کی شادی میں سہ سہ کر اور جان بوجھ کر رکاوٹیں اس لیے پیدا کرتی رہتی تھیں کہ یہ رخصت ہو کر چلی جائے گی تو میں زندہ کیسے رہوں گی، انھوں نے نشاط کے وجود کے ساتھ اپنی زندگی اور موت وابستہ کر لی تھی۔

رات کو جب کھانے کا وقت آیا تو اد جمند، نشاط کا اشارہ پا کر اُن کے کمرے میں کھانا لے کر پہنچ گئی، نشاط خوان ملازمہ کے سر پر رکھوا کر اپنا، اختری خانم کا، اور امجدی بیگم کا کھانا بڑے کمرے میں لے آئی، دسترخوان بچھا، امجدی بیگم بے چاری دن بھر کی بھوکی تھیں، فوراً ہاتھ دھو کر تیار ہو گئیں، لیکن اختری بیگم کو "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کی حالت میں دیکھ کر شرمندہ ہوئیں کہ ہاتھ کیوں دھو لیے؟ نشاط نے الھڑپنے سے کہا۔

"امّی بہت زور کی بھوک لگی ہے ہمیں!"

وہ بولیں۔

"تو کھاؤ، منع کس نے کیا ہے؟"

وہ کہنے لگیں۔

"کیا اکیلی کھا لوں؟ آپ نہیں کھائیں گی؟"

انھوں نے جواب دیا۔

"مجھے تو بھوک نہیں ہے!"
وہ اُلجھتی ہوئی بولی -
"دن بھر آپ نے کچھ نہیں کھایا، کیا رات کو بھی فاقہ کریں گی؟"
وہ بولیں -
"تو کیا ہوا؟ طبیعت خراب ہو تو دو دو دن نہیں کھاتے!"
وہ ضد کرتی ہوئی کہنے لگی -
"آپ کو کھانا پڑے گا، ورنہ اللہ قسم میں بھی نہیں کھاؤں گی!"
"واہ ری چھوکری، کچھ زبردستی ہے!"
"یہی سہی!"
"اچھا کھا، بک بک نہ کرو!"
"حرام ہے جو ایک لقمہ بھی توڑوں ——— میری بوڑھی اور کمزور ماں تو کھانے پر فاقہ کرے، اور میں کھالوں لعنت ہے مجھ پر!"
اختری نے مسکراتے ہوئے امجدی بیگم کی طرف دیکھا،
"دیکھ رہی ہو انہیں؟"
وہ بولیں -
"ٹھیک تو کہہ رہی ہے، اس ضعیفی میں فاقہ کروگی تو زندہ کیسے رہوگی؟"

وہ کہنے لگیں۔

"بہت دن جی لیے، اب تو زندہ رہنے سے طبیعت اُکتا گئی ہے بہن!"

نشاط نے روہانسی ہو کر کہا۔

"امّی پھر ہیں رونے لگوں گی، دیکھو!"

اور واقعی اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

نشاط کی یہ کیفیت دیکھ کر اختری خانم کمزور پڑ گئیں۔

"بیٹی، میری بچّی، کیوں زبردستی کر رہی ہے، خدا جانتا ہے اس کم بخت انور نے آج میرے دل کو وہ صدمہ پہنچایا ہے، اور مجھے ایسا غصّہ ہے کہ کھانا زہر لگ رہا ہے!"

نشاط نے جلدی جلدی آنسو پونچھے، اور دوڑی دوڑی انور کے کمرے میں پہنچی، وہاں ارجمند اسے کھلانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن وہ متامل تھا کہ جب تک اختری خانم کے کانشانے سے کوئی اچھی خبر نہ آجائے کھانے پر ہاتھ ڈالنا خطرے سے خالی نہیں، ارجمند ان نزاکتوں سے، اور اختری خانم کے مزاج کی نوعیت اور کیفیت سے ناواقف ہونے کے باعث ضد کیے جا رہی تھی۔

"دو لقمے تو کھا لیجئے!"

اتنے میں دوڑی دوڑی نشاط آئی، اس نے کہا۔

"بھیا آج تو آپ نے غضب کر دیا!"

انور بحث پر اُتر آیا۔

"تم بھی مجھی کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو؟"

وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"جی ہاں صرف آپ کو ——— آپ امی کا مزاج جانتے ہیں پھر ان سے اُلجھ پڑے، اور آج تو آپ نے بدتمیزی کی حد کر دی کہ ان سے بھرے گھر میں سب کے سامنے کہہ دیا۔

"چپ رہیئے!"

"یہ الفاظ وہ سن سکتی ہیں؟ کبھی ابا جان مرحوم کو تو ہمت پڑی نہیں انہیں ڈانٹنے کی، آپ نے انہیں ڈانٹا، ذلیل کیا"

انور پھر بحث پر اُتر آیا۔

"میرا یہ مطلب کب تھا؟"

وہ اور زیادہ سخت انداز میں بولی۔

"آپ کا مطلب کچھ بھی ہو، لیکن آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے!"

وہ عاجز آ کر بولا۔

"اگر کی ہے تو صبح سے اب تک نادم اور شرمسار بھی تو بیٹھا ہوں، !"

"اپنے کمرے ہی میں تو ؟ کسی کو کیا معلوم ؟"

"تو کیا کروں ؟"

"چلیئے، امی جان سے معافی مانگیے !"

انور نے ابھی کچھ جواب نہیں دیا تھا کہ نشاط نے کہا۔

"امی جان کو غصہ بھی بے حد ہے، اور صدمہ بھی بہت زیادہ ہے، آپ جانتے ہیں، انھیں جب غصہ آجائے تو وہ پھر قابو میں نہیں رہتیں، میں نے رو رو کر، اور گلے لگ لگ کر اور خوشامدیں کر کرکے بڑی مشکل سے انھیں کچھ کچھ راضی کیا ہے، لیکن پورے طور پر وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک آپ معافی نہیں مانگیں گے !"

"وہ اور زیادہ غصہ کرنے لگیں گی مجھے دیکھ کر !"

"تو برداشت کر لیجیے گا !"

"جوتا تو مار چکی ہیں کھینچ کر، کیا یہ کافی نہیں ہے ؟"

"بالکل کافی نہیں ہے ———— وہ جتنے جوتے چاہیں ماریں جو سزا چاہیں دیں، جو برتاؤ چاہیں کریں، ہماری ذلت نہیں ہو سکتی،

وہ ماں ہیں، ان کے پاؤں تلے جنّت ہے۔ آپ اتنے پڑھے لکھے ہیں اتنا بھی نہیں جانتے؟" ——————

انور نے ارجمند سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سُن رہی ہو اس لڑکی کی باتیں!"

قبل اس کے کہ ارجمند جواب میں کچھ کہے، نشاط نے کہا۔

"وہاں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، امّاں نے ان کو بھی کچھ نہیں کھایا اس وقت بھی لقمہ توڑنے پر تیار نہیں ہیں، اگر آپ نے انہیں نہ منایا تو کہے دیتی ہوں قیامت آجائے گی"

ارجمند نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا۔

"نشاط ٹھیک کہہ رہی ہے —————— جائیے چلے جائیے!"

پھر نشاط نے انور کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر ماں کے کمرے میں پہنچی، کھانا اب تک رکا ہوا تھا، امجدی بیگم کی للچائی ہوئی نظریں مایوس ہو ہو کر واپس آرہی تھیں، اتنے میں نشاط فاتحانہ شان سے انور کو لے کر پہنچی، وہ آتے ہی ماں سے لپٹ گیا۔

"میری امّی مجھے معاف کر دیجئے۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا مجھے!"

(۲۳)

بڑی مشکل سے اختری خانم کو انور نے منایا، دو چار روز کے بعد، گھر کی پھر وہی فضا ہوگئی، وہی ہنسی، وہی دل لگی، وہی قہقہے، وہی چہچہے، اور امجدی بیگم کو اتنا بڑا سکون حاصل ہوا جیسے انھیں نئی زندگی مل گئی، اور اس لیے کہ اختری خانم نے جب انور کا نامۂ اعمال سنانا شروع کیا تھا، تو وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھیں کہیں اگر بات زیادہ بڑھی، اور انھوں نے ارجمند سے رشتے کا خیال دل سے نکال دیا، اور اس "نالائق" کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تو کیا ہوگا؟

پھر ارجمند کہاں جائے گی؟

پھر اس کا حشر کیا ہوگا ؟

اتنی آرزوؤں، تمناؤں، خواہشوں اور دعاؤں کے بعد، یہ جو ایک شکل اس بد قسمت لڑکی کے مستقبل کے سنورنے کی نکلی تھی اس کا انجام کیا ہوگا ؟

کیا پھر اسی ناامیدی اور نامرادی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی جس نے زندگی کو موت سے بدتر بنا دیا تھا ؟

کیا ارجمند کی ساری زندگی اسی طرح کٹ جائے گی کہ وہ رفیقِ زندگی سے محروم رہے ؟

راحت و آسائش، اور مسرت و نشاط کی زندگی نہ بسر کر سکے ؟

اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا !

جتنی دیر تک اختری خانم انور پر تنقید و تبصرہ کرتی رہیں اتنی دیر تک امجدی بیگم کی جان لبوں پر اٹکی رہی وہ ڈر رہی تھیں کہیں جھلا کر یہ نہ کہہ دیں -

" میں نہیں کرتی اس مردود کی شادی، یہ جانے اور اس کا کام "!

لیکن خدا کا شکر ہے، ایسا نہیں ہوا !

نشاط نے بگڑی ہوئی بات بنا لی — - !

اپنے دل میں نشاط کی کبھی اتنی الفت و محبت انھوں نے محسوس

نہیں کی تھی، جتنی آج!

وہ جب سے انور کی آس لگائے تھیں، نشاط کو راستے کا کانٹا سمجھ رہی تھیں۔

جب تک وہ بیاہ کر اپنے سسرال نہ چلی جائے اس وقت تک ارجمند صحیح معنی میں اس گھر کی مالک اور مختار نہیں بن سکتی!

لیکن اس وقت وہ سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھیں۔!

نشاط کے پیکر میں انھیں اپنی امیدیں اور آرزوئیں پروان چڑھتی نظر آ رہی تھیں!

آج تک ان کے دل سے ارجمند کے سوا کسی کے لیے دعا نہیں نکلی تھی۔

لیکن آج اس دعا میں ارجمند کے ساتھ نشاط بھی شریک تھی!

اب تک وہ زمانہ سازی اور ظاہر داری کے طور پر نشاط سے محبت اور الفت کا اظہار کرتی تھیں، وہ زمانہ سازی اور ظاہر داری اب بھی قائم تھی، لیکن فی الحال اس جذبے کو انھوں نے دبا دیا تھا، وہ نشاط کی مشکور تھیں، محض اسی کی وجہ سے ان کی ڈوبتی ناؤ، کنارے پر جا لگی تھی،!

البتہ اب ایک جذبہ ان کے دل میں بڑی شدت سے پیدا

ہوگیا تھا :

یہ کہ انور اور ارجمند کی جلد از جلد شادی ہوجائے ۔

اس کارِ خیر میں اب ذرا بھی دیر نہ ہونی چاہیئے ۔

اختری خانم کی افتادِ مزاج سے وہ سہم گئی تھیں انھیں دھڑکا لگا ہوا تھا نہ جانے کب کیا ہوجائے ۔

ایک مرتبہ بات پختہ ہوکر قاضی صاحب تشریف لے آئیں، تو پھر زندگی بھر کا اطمینان ہوجائے ۔

اختری خانم زبان سے تو کئی بار کہہ چکی تھیں کہ وہ ارجمند کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں ۔ لیکن انور سے خفگی اور پھر مصالحت کے بعد سے یہ لفظ ان کی زبان پر نہیں آیا تھا :

یہ کافی تشویشناک بات تھی ، آخر اس کا کیا مطلب تھا ؟ وہ بار بار سوچتی تھیں اس کا کہیں یہ مطلب تو نہیں لیا جا سکتا کہ انھوں نے اپنی تجویز واپس لے لی ؟

پھر اپنے دلِ محزون کو خود ہی تسلی دیتی تھیں ۔

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ، بات یہ ہے کہ ابھی تک کسی حد تک اس کا غصّہ قائم ہے ، اور انور کو معاف کر چکنے کے باوجود اس سے ابھی پورے طور پر دل صاف نہیں ہوا ہے ، اس لیے خاموش ہیں ۔

بس صرف یہی بات ہے، اس کے سوا کچھ نہیں!

مگر ———

بس اسی اگر مگر میں، اسی دھڑکن اور اختلاج قلب میں، اسی فکر و پریشانی میں یہ تین چار دن گزرے تھے۔

وہ چاہتی تھیں یہ معاملہ آخری اور فیصلہ کن طور پہ اٹھے اور خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہو جائے۔

لیکن سلسلہ جنبانی کس سے کی جائے؟

کیا اختری خانم سے؟

نا بابا، بھڑ کے چھتے میں ہاتھ کون لگائے؟ نہ جانے کیا منہ میں آئے اور کیا بک دیں؟

پھر کیا انور سے؟

لیکن اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جو حیثیت تھی وہ معلوم ہو چکی۔ بے شک وہ ہزار جان سے ارجمند پر فدا ہے، اس کا بس چلے تو ابھی شادی رچا لے۔

لیکن کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟

وہ ماں کے ہاتھ میں ہے، اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس گھر کا پتہ نہیں ہل سکتا، پھر ہمارے انور میاں اتنا بڑا کام کیسے

کر گزریں گے ؟ وہ صرف ہائے وائے کر سکتے ہیں۔ ٹھنڈی سانسیں بھر سکتے ہیں، ارجمند سے راز و نیاز کی باتیں گھنٹوں اور پہروں کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ کرلیں، ناممکن، ان کے بس ہی میں نہیں ہے کچھ۔

پھر ——— ؟

پھر یہ گتھی کون سلجھا سکتا ہے ؟

کون ہے جو اس بگڑی کو بنا دے ؟

کوئی ایسا ہے جو عقدۂ مشکل کو آسان کر دے ؟

گھنٹوں اور پہروں رات کی تنہائی میں یہی سوال ان کے ذہن دو ماغ میں گردش کرتا رہتا تھا، لیکن اس کا کوئی جواب نہیں سوجھتا تھا۔

دفعتہً ایک نام نامی ان کے ذہن کی سطح پر آ بھرا۔

نشاط ———

بے شک نشاط اس کارِ دشوار کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتی اور اتمام تک پہنچا سکتی ہے۔

اس سے بات چھیڑنا اور پرچا لینا کچھ مشکل بھی نہیں، سیدھی سادی، اور بھولی بھالی لڑکی ہے، بڑی آسانی سے بات بن

سکتی ہے!

صرف وہی ہے جو اختری خانم کو راہِ راست پر لا سکتی ہے۔

یہ سوچ کر ان کا دل مطمئن ہو گیا۔!

لیکن نشاط تو چھلاوہ تھی، کبھی ایک جگہ ٹکتی ہی نہیں تھی، ابھی ماں سے ان کی عمر پوچھ رہی ہے، ابھی ماں سے اپنی عمر پر بحث کر رہی ہے، ابھی ارجمند سے کہانی سن رہی ہے، اور داستان سنا رہی ہے، ابھی انور کے کمرے میں چلی گئی، اور نہ جانے کیا باتیں چھیڑ دیں کہ مسلسل قہقہوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔

کہیں اس کا چینا لگتا ہی نہیں۔

کیا مجال ہے جو کسی جگہ جم کر دس منٹ بیٹھ جائے۔

پھر ایسی لڑکی سے ایسی سنجیدہ گفتگو چھیڑی جائے تو کس طرح؟

اس بت پر فن کو قابو میں لانا اور رام کرنا کچھ آسان تو نہیں۔

ایک ماہر اور منجھے ہوئے شکاری کی طرح وہ مسلسل نشاط کی تاک میں تھیں، لیکن وہ گوہرِ یک دانہ کسی طرح ہاتھ لگتا ہی نہیں تھا!

ان کی ساری توجہ اب صرف نشاط پر مبذول تھی، انھیں یقین کامل تھا، صرف نشاط ہی ان کی مشکل آسان کر سکتی ہے۔

لیکن نشاط ملے کہاں؟ ——— ہر چند کہیں کہ ہے ——— نہیں ہے!

نشاط کو پا لینے، اور اس سے دل کھول کر باتیں کر لینے کی فکر نے انہیں بے چار اور نیم جان کر دیا تھا، جو کام بے انتہا آسان تھا، وہی اتنا مشکل نظر آ رہا تھا کہ ہفت خوان کی منزل طے کرنا اس کے مقابلے میں آسان تھا، !

لیکن جو یندہ یابندہ، آدمی جب کسی بات کو دل پر رکھ لے، اور کسی مقصد کو حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کرے تو قدرت بھی مدد کرتی ہے اور خود بخود ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جو مشکلات راہ کو آسان بنا دیتے ہیں، اور وہی چیز جو بہت مشکل اور ناممکن نظر آ رہی ہوتی ہے، پھر بہت آسان، اور ممکن بن جاتی ہے۔

ایسا ہی نشاط کے معاملے میں ہوا۔

یا تو وہ کسی طرح ہاتھ ہی نہیں آ رہی تھی، یا آئی تو اس طرح جیسے چڑیا دانے کے لالچ میں اسیرِ دام ہو جاتی ہے!

(۲۴)

انتہائی فکرمند و دردمند امجدی بیگم اپنے کمرے میں جو ان کا غم خانہ بنا ہوا تھا بیٹھی تھیں کہ دبے پاؤں نشاط آئی۔ اس نے پیچھے سے امجدی بیگم کی دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور مسکرانے لگی۔

امجدی بیگم نے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن کہاں ایک نوجوان لڑکی کے مضبوط ہاتھ، کہاں ایک بوڑھی عورت کی کمزور انگلیاں۔

جب اپنی کوشش میں امجدی بیگم ناکام ہوگئیں تو کہنے لگیں،
"دیکھو ارجمند یہ چونچلے مجھے نہیں اچھے لگتے!"

نشاط بدستور مسکراتی رہی، اس نے اپنے ہاتھ نہیں ہٹائے
امجدی بیگم نے جل کر کہا۔
"بس زندگی بھر یوں ہی ہڑبونگے کرتی رہنا ــــــ ہٹاؤ ہاتھ
میری آنکھیں درد کرنے لگیں، کمبخت؟"
نشاط نے آواز بدل کر امجدی بیگم سے کہا۔
"بتائیے میں کون ہوں؟"
وہ بولیں۔
"ارجمند ہے اور کون ہے؟"
وہ کہنے لگی۔
"جی نہیں ــــــ میں ارجمند نہیں ہوں؟"
اب ذرا ان کے ہونٹوں پہ تبسم آیا، کہنے لگیں۔
"آج انور میاں کو دل لگی سوجھی ہے!"
وہ زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔
"جی نہیں میں انور میاں بھی نہیں ہوں"
امجدی بیگم نے زور سے ہاتھ ہٹانے کی ناکام کوشش کرتے
ہوئے ذرا پُر زور لہجہ میں کہا۔
"تو کیا اختری بہن ہیں؟"

وہ بولی۔

"توبہ کیجیے، میں کیوں ہوئی اختری بہن ؟"

اب تو امجدی بیگم بہت چکرائیں، ایک مرتبہ پھر مسکرانے کی ناکام کوشش کی، کہنے لگی۔

"سمجھ گئی، تو ہے ـــــــــ اونہہ نام بھی بھول گئی، بتا کیا نام ہے تیرا ؟"

وہ اسی طرح مسکراتی ہوئی گویا ہوئی۔

"میں کیوں بتاؤں، آپ ہی کو بتانا پڑے گا۔"

امجدی بیگم نے عاجز ہو کر کہا۔

"اے وہی تو ہے تو ـــــــــ بھلا سا نام ہے کمبخت تیرا، ہاں یاد آگیا ـــــــــ نصیبن (گھر کی ملازمہ)

پھر ان کے کانوں میں وہی آواز آئی۔

"خدا نہ کرے میں کیوں ہوتی نصیبن ـــــــــ آپ تو بددعا دینے لگیں مجھے۔"

امجدی بیگم کھلکھلا کر ہنس پڑیں کہنے لگیں۔

"ارے تو ہے ـــــــــ میری بچی نشاط !"

نشاط نے ہاتھ ہٹا لیے، اور کہا۔

"بڑی دیر میں پہچانا آپ نے؟"

وہ بولیں۔

"بیٹی تو نے آواز ایسی بدل لی تھی کہ میں کیا اختری بہن بھی نہ پہچان سکتیں۔ —— لیکن یہ تجھے سوجھی کیا تھی؟"

وہ اطمینان سے امجدی خانم کے قریب بیٹھ گئی، اور کہنے لگی۔

"بس یوں ہی، ذرا دل چاہا تھا کہ آپ کو چھیڑوں!"

انھوں نے بلائیں لیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اے میں تجھ چھیڑنے والی کے قربان ——

نشاط نے کہا۔

"آپ تو مجھے امّی جان سے بھی زیادہ چاہنے لگی ہیں!"

وہ حلفیہ بیان دینے پر تیار ہو گئیں۔

"کچھ شک ہے اس میں تجھے —— میں تو تجھے ارجمند سے بھی زیادہ چاہتی ہوں!"

گویا شک کا اظہار کرتے ہوئے نشاط نے پوچھا۔

"سچ کہہ رہی ہیں آپ؟"

وہ ذرا خفا ہوتی ہوئی بولیں۔

"نہیں جھوٹ بول رہی ہوں —— وہ بھی کسی اور سے نہیں

اپنے جگر پارے سے !"

نشاط نے پھر سوال کیا ۔

" میں آپ کا جگر پارہ ہوں ؟"

وہ سینہ ٹھونک کر بولیں ۔

" ہاں بے شک ———

نشاط نے کہا ۔

" اچھا تو میرا ایک کام کر دیجئے !"

وہ بڑی آمادگی اور مستعدی کے ساتھ بولیں ۔

اے بیٹی ایک نہیں لاکھوں کام کر دوں ، بتا تو سہی !"

نشاط نے کہا ۔

" خالہ جان کام تو بہت معمولی ہے !"

وہ بولیں ۔

" معمولی ہو یا جیسا بھی ہو ، ضرور کر دوں گی !"

نشاط کہنے لگی ۔

" آج ارجمند سے میرا جھگڑا ہو گیا ہے !"

تیوری چڑھا کر امجدی بیگم نے پوچھا ۔

" جھگڑا ہو گیا ! ——— تیرا ارجمند سے ؟"

وہ ادب سے سر جھکا کر گویا ہوئی۔

"جی" ——

امجدی بیگم نے سراپا قہر و جلال بن کر فرمایا۔

"اچھا اسے آنے تو دے، ایسی خبر لوں گی کہ یاد کرے گی وہ بھی!"

"لیکن سُنیئے تو سہی خالہ جان!"

"سُن رہی ہوں بیٹی!"

"وہ ایسا جھگڑا نہیں ہے کہ آپ اس سے خفا ہوں، یا اس سے کچھ کہیں!"

"پھر کیا بات ہے!"

"ہے تو جھگڑا ہی"

"تو بتا تو سہی، ماجرا کیا ہے —— کچھ معلوم بھی تو ہو!"

"آج ارجمند کہنے لگی ہماری اماں زعفرانی سویوں کا زردہ ایسا پکاتی ہیں کہ دُنیا میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ——"

"اچھا پھر ——"

"پھر وہ کہنے لگی، ان کے پاس صدری نسخہ ہے، اور اس معاملے میں وہ اتنی کنجوس ہیں کہ مجھے بھی میری منتوں اور خوشامدوں

کے باوجود آج تک ترکیب نہیں بتائی"——

"ہاں نہیں بتائی —— نہ بتاؤں گی!"

"یہی تو وہ بھی کہہ رہی تھی، اما مگر——

"مگر کیا بیٹی؟"

"میں اس سے اُلجھ پڑی، اور میں نے کہا تمہیں وہ ترکیب انھوں نے بتائی ہو یا نہ بتائی ہو میں تو چٹکی بجاتے میں ان سے معلوم کر لوں گی!"

"پھر"——

"پھر وہ میرا مذاق اُڑانے لگی، اما!"

"تیرا مذاق اڑانے لگی"

"جی ہاں"——

"کیا کہا اس ناشدنی نے؟"

"کہنے لگی، یہ منہ اور مسور کی دال، مرمر کر بڑا سا جنم لو تو وہ پھر بھی نہیں بتانے کی!"

اس کے منہ میں خاک، اس نے یہ کہا"

"جی خالہ جان یہ بھی کہا اور بڑی دیر تک میرا مذاق اڑاتی رہی!"

"بڑی نالائق ہے!"

"خالہ جان اس نے میرا اتنا مذاق اُڑایا کہ میں روہانسی ہوگئی"

"خدا غارت کرے اس نالائق کو جس نے تیرا دل دکھایا"

"میرا دل اسی نے تھوڑے دکھایا ——"

"پھر اور کس نے دکھایا؟"

"بھیا نے بھی!"

"یعنی انور نے؟"

"جی ہاں —— وہی جو آپ کے بڑے چہیتے ہیں!"

"کیا کہا اس نے؟"

"کہنے لگے، ہم تمہیں دس روپے انعام دیں گے اگر وہ ترکیب حاصل کرلو کسی طرح!"

"پھر تو نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا، دیکھیے گا مجھے ضرور بتادیں گی!"

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"وہ ہنسنے لگے، پھر بولے، منہ دھو رکھو!"

امجدی بیگم نے سراپا محبت بن کر نشاط کو گھورا، پھر بڑے پیار بھرے لہجہ میں بولیں -

"منہ دھو رکھیں میاں انور، او بی ارجمند!"

"تو خالہ جان کیا آپ مجھے وہ نادر ترکیب بتا دینگی ؟"

"تجھے نہ بتاؤں گی ؟ ـــــ تیرے لیے تو میں سب کچھ کر سکتی ہوں !"

"تو پھر بتا دیجئے !"

"بتادوں گی ، تو فکر نہ کر !"

"آپ تو ٹال رہی ہیں خالہ جان ـــــ یہی ارجمند بھی کہہ رہی تھی ، !"

"کیا کہہ رہی تھی وہ نصیبوں جلی ! ؟"

"کہہ رہی تھی ، بہت ضد کرو گی اور مچلو گی تو وعدہ کریں گی لیکن ٹال دیں گی !"

"یہ وہ اپنی ماں کے بارے میں کہہ رہی تھی ؟"

"جی میری خالہ کے بارے میں ـــــ !"

"دیکھنا کیسا سمجھتی ہوں اس سے ، !"

"سمجھئے گا بعد میں ، پہلے ترکیب بتائیے ، !"

"تو بیٹی سامان منگاؤ ، میں بتاتی جاؤں گی تم پکاتی جاؤ ، !"

"اس طرح تو ارجمند بھی سیکھ جائے گی ، آپ مجھے نسخہ لکھا

دیجیے، پھر ارجمند کو دھوکا دے کر، چپکے چپکے میں خود پکا کر اسے
ادر بھتیا کو حیران کر دوں گی اور انعام جیت لوں گی!"

"اچھا یہی سہی ——— لا قلم دوات!"

۲۵

امجدی بیگم سے نسخہ لے کر نشاط خوش ہو گئی، انھوں نے پوچھا۔

"کیوں بیٹی اور کچھ؟"

وہ مسکراتی اور ہنستی ہوئی بولی ۔

"بس میں نے اپنی مراد پالی !"

وہ پان کا بیڑا منہ میں رکھتی ہوئی کہنے لگیں،

"لیکن بیٹی آج مجھے بہت دُکھ ہوا !"

نشاط نے متحیر ہو کر امجدی بیگم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"دُکھ کس بات کا خالہ جان ؟"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر گویا ہوئیں -
" یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارجمند تمھارا مذاق اڑا سکتی ہے؟"
نشاط نے ہنستے ہوئے کہا -
" ارے یہ تو ہم لوگوں کی چہلیں ہیں خالہ جان آپ فکر کیوں کرتی ہیں؟"
وہ اور زیادہ فکر مند ہو کر بولیں -
" بیٹی فکر یوں کرتی ہوں کہ ــــــــ"
قطع کلام کرتے ہوئے نشاط بولی -
" آپ بالکل فکر نہ کیجیے! ارجمند کو میں کتنا چاہتی ہوں، آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، خالہ جان!"
" وہ تو میں جانتی ہوں بیٹی، مجھے اچھی طرح معلوم ہے!"
" اسی محبت کی خاطر اسے اپنی بھابی بنا رہی ہوں، امی جان کا خیال تو ادھر آدھر نہ جانے کہاں کہاں تھا ــــــ"
امجدی بیگم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ ادھر اُدھر کا خیال کہیں عملی صورت نہ اختیار کر لے، بہت افسردہ لہجہ میں بولیں -
" ہاں بیٹی ــــــ ارجمند تو ایک غریب اور بیوہ ماں کی بیٹی

ہے، بہن (اختری) کی نظر میں اس کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ؟

"یہ نہ کہیے، اب تو آپ کی بہن اسے چاہنے لگی ہیں، ہم کم ہوں وہ زیادہ ہے !"

"ہاں چاہتی تو بہت ہیں"

"اور دیکھ لیجئے گا، وہ مبارک دن بھی جلد آئے گا جب وہ باقاعدہ میری بھابی بن جائے گی !"

اس مرتبہ خوشی سے امجدی بیگم کا دل دھڑکنے لگا، جس بات کو کئی دن سے چھیڑنے کی کوشش میں تھیں اور کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی وہ خود نشاط نے چھیڑ دی، امجدی بیگم نے پوچھا۔

"تو کیا واقعی تم لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے ؟"

وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی کہنے لگی۔

"اور نہیں تو کیا ——— امی جان آپ سے اس سلسلے میں بات بھی تو کر چکی ہیں !"

امجدی بیگم یہ تو نہ کہہ سکیں کہ ہاں کی تو تھی، مگر اس کے بعد سے چپ سادھے ہوئے ہیں، لیکن اتنا ضرور بڑے بلیغ انداز میں کہا۔

"ہاں کی تو تھی !"

"پھر آپ کا ارادہ کیا ہے ؟"

"اے بیٹی میرا ارادہ کیا؟"

"رات پھر میں نے امّی جان سے بات چیت کی تھی!"

"کیا اسی مسئلے پر؟"

"جی ہاں ——— میں نے کہا تھا، اب ارجمند سے بجیا کی شادی جلد از جلد ہو جانی چاہیئے!"

"پھر وہ کیا بولیں؟"

"کہنے لگیں، ہاں امجدی سے کل پرسوں تاریخ طے کر لوں گی!"

"اچھا ———"

"جی ہاں ——— لیکن خالہ جان "تاریخ لمبی نہیں ہونی چاہیئے! امجدی بیگم کا جی تو یہ چاہا کہ کہہ دیں، بیٹی چاہو تو ابھی قاضی کو بلاؤ اور دو بول نکاح کے پڑھوا کر میرا بوجھ ہلکا کر دو، لیکن یہ بات صرف سوچنے کی تھی کہنے کی نہ تھی، کہا تو صرف یہ:

"میں تو تم لوگوں کے ہاتھ میں ہوں، جب ایک مرتبہ کسی کو اپنا بنا لیا، تو بنا لیا، جو تاریخ چاہو، مقرر کر دو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" بس تو جاتی ہوں بجیا کو یہ خوش خبری سناتی ہوں!"

"اری لڑکی کیا خوش خبری سنائے گی اسے؟"

"یہی جو ابھی ہماری آپ کی باتیں ہوئی ہیں ——— اصل میں زیادہ

جلدی انہی کو ہے۔ وہی مجھے بار بار اُکسا رہے ہیں کہ امّی جان سے جلد از جلد تاریخ مقرر کراؤں۔ انہی کے کہنے پر رات میں نے ان سے بات کی تھی!"

"نہیں بیٹی اس سے، یا کسی سے کچھ نہ کہنا، یہ باتیں میرے تیرے ہی درمیان رہنی چاہئیں!"

"یہ کیوں خالہ جان؟"

"ورنہ لوگ خیال کریں گے لڑکی دو بھر ہے میں اسے دھکیلنے کی فکر میں رہوں!"

"توبہ کیجیے خالہ جان آپ کے بارے میں ایسی بات کون سوچ سکتا ہے؟ کیا میں؟ کیا بھیّا؟ کیا امّی جان؟"

"نہیں نہیں ———"

"پھر اگر دنیا کچھ سمجھتی ہے تو سمجھا کرے، اس کی پروا نہ آپ کو کرنی چاہیے، نہ ہم کرتے ہیں!"

"بیٹی تم تو نہیں کرتیں، مجھے تو کرنا پڑتی ہے!"

"کیوں بھلا ———؟"

"اس لیے کہ میں لڑکی والی ہوں، یہی میرا کمزور پہلو ہے!"

"آپ بہت زیادہ حساس ہیں خالہ جان، اتنا زیادہ بھی زود حس کسی کو نہیں ہونا چاہیئے!"

"(مسکرا کر) اچھا بیٹی جو چاہو کرو، جو چاہو کہو، تم سے بھلا کون جیت سکتا ہے؟"

(۲۶)

نشاط نے اختری خانم کو کچھ اتنا بھرا کہ آخر انھوں نے امجدی بیگم سے تاریخ طے کر لی۔

طے پایا کہ ۱۵ دن کے بعد ۲ نومبر کو بارات پھول پور جائے جو احمد نگر سے کوئی ۳۰ میل کے فاصلے پر تھا، اور دوسرے دن دلہن سسرال، یعنی اختری خانم کے گھر آجائے ——!

اس پروگرام کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ امجدی بیگم کل ہی ارجمند کو لے کر پھول پور چلی جائیں، وہاں جا کر جو کچھ انتظامات کرنا ہیں وہ کر ڈالیں۔

یہاں اختری کے ہاں سبھی معاملہ تیار تھا!

خالدہ کے ہزاروں روپے کے زیورات اور پارچات وغیرہ بہ حفاظت تمام موجود تھے۔

زیورات ایسے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی، کپڑے ایسے کہ اب ڈیسے ملنا ناممکن۔

نشاط نے یہ سارا مالِ غنیمت بڑے چاؤ اور پیار سے امجدی اور ارجمند کو، امجدی کو براہ راست، اور ارجمند کو بالواسطہ دکھا دیا تھا۔

یہ قیمتی اور نایاب چیزیں دیکھ کر ماں بیٹی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

بے شک امجدی نے سوچا تھا کہ ان کی بیٹی اس گھر میں راج کرے گی، اور ارجمند نے سوچا کہ شادی کے بعد اس کی زندگی کا نیا اور شاندار دَور شروع ہوگا، کلفتوں اور پریشانیوں کا دَور ختم ہوا، عیش و عشرت، اور راحت و آسائش کا دَور شروع ہوگیا، لیکن یہ بات تو دونوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھی کہ اس شادی کے بعد خدا یوں چھپّر پھاڑ کر دولت دے دیگا۔

امجدی بیگم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے زندگی بھر کی محنت اور مشقت سے جو ملبوسات تیار کر دیئے تھے۔ اور جو زیورات بنوا رکھے

تھے ان کی مالیت کسی طرح مجموعی طور پر دو تین ہزار سے زیادہ کی نہیں تھی، برتن، کراکری اور فرنیچر، وغیرہ کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار ہو گی، اس سے زیادہ دینے کی نہ ان میں سکت تھی، نہ وہ کسی قیمت پر بھی بندوبست کر سکتی تھیں۔

لیکن خالدہ کی یہی چیزیں ——— زیورات، ملبوسات، طلائی اور نقرئی برتن، بہترین غیر ملکی کراکری، صندل، آبنوس، اور شیشم کی بہترین لکڑی کی الماریاں، بکس، صندوقچے ——— کسی طرح کم سے کم قیمت اُٹھنے پر بھی ساٹھ ستر ہزار سے کم کی نہیں تھیں۔

گویا امجدی کی لڑکی کو اتنی اللہ آمین کے بعد صرف ایک دولہا نہیں مل رہا تھا، بلکہ خزانۂ قارون بھی مل رہا تھا۔

نشاط جب اس سلسلے سامان کی زیارت کرا رہی تھی، تو صرف امجدی اور ارجمند تھیں، اور دونوں اسے اپنا مال سمجھنے لگی تھیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد اختری خانم بھی آ گئیں، انھوں نے جو دیکھا کہ یہ بیوقوف اور نادان لڑکی یہ سارا مالِ غنیمت اپنی ہونے والی بھاوج کو اس طرح دکھا رہی ہے گویا سب کچھ اسی کو ملے گا، تو خاموش نہ رہ سکیں، اور مناسب یہ سمجھا کہ موقع ہی پر غلط فہمی رفع کر دیں، چنانچہ انھوں نے اسی وقت یہ بات حاضرین پر واضح کر دی

"ہاں بہن شوق سے جاؤ، اور جو چاہو انتظام اور بندوبست کرو، لیکن ایک بات میری گرہ میں باندھ لو!"

امجدی نے سوالیہ نظروں سے اپنی بیٹی کی ساس کی طرف دیکھا، پھر دریافت کیا۔

"وہ کون سی بات ہے میری بہن!"

"آدمی جب لڑکی کو بیاہتا ہے، تو اپنی حسرت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ لڑکی کو زیادہ سے زیادہ دے ڈالے تاکہ سسرال میں اس کی آنکھ نیچی نہ ہو سکے۔"

امجدی بیگم یہ الفاظ سن کر دہل گئیں، انھوں نے سوچا کہیں اختری خانم کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ مجھے اپنے بجائے ان لوگوں کے شایانِ شان بندوبست کرنا چاہیئے، ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ اختری خانم کی آواز ان کے پردۂ گوش سے ٹکرائی۔

"اس سلسلے میں لوگ اندھا دھند خرچ کرتے ہیں ——"

وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"ہاں بہن کرتے تو ہیں!"

اختری خانم نے کہا۔

"مقروض تک ہو جاتے ہیں، بلکہ بال بال قرض میں بندھ جا

لیتے ہیں !"

امجدی اس حقیقت سے بھی انکار نہ کر سکیں ۔

"ہاں یہ بھی سچ ہی ہے، واقعی ایسا ہی ہوتا ہے !"

لیکن بہ کتنے کتنے کوشش کے خلاف ان کی آوازمیں کپکپاہٹ آگئی، اس لیے کہ وہ اپنی مالی حالت سے اور اپنے محدود تر وسائل و ذرائع سے بخوبی واقف تھیں ۔ وہ ڈر رہی تھیں کہیں مجھے بھی یہی سب کچھ کرنے کی دعوت تو نہیں دی جا رہی ہے ؟ اگر ایسا ہوا تو میں کیا کر دوں گی ؟ کوشش کے باوجود کیا کر سکوں گی ؟"

وہ اسی خلجان میں مبتلا تھیں کہ اختری بیگم کا کلمۂ شیریں ان کے کانوں تک پہنچا ۔

" لیکن تم ہرگز ایسا نہ کرنا ——— ہمیں صرف ارجمند کی ضرورت ہے، ہم نے اسے پا لیا سب کچھ پا لیا، نمود و نمائش کے لیے اپنے آپ کو نہ مقروض کرنا نہ پریشان کرنا، ارجمند یہاں اسی طرح رہے گی، جس طرح نشاط رہتی ہے، یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے کسی بات کا، یا کسی قسم کا طعنہ دے، اور اگر بہ فرضِ محال کسی نے ایسا کیا تو میں اس کی زبان رالکھ لگا کر کھینچ لینے کو موجود ہوں، میں تمھاری حالت سے بہت اچھی طرح واقف ہوں

تم نے شوہر کے انتقال کے بعد جس دُکھ اور مصیبت کی زندگی بسر کی ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے، جس چھوٹی سی آمدنی میں تم نے اپنا خرچ چلایا ہے، اور زندگی بسر کی ہے، وہ بھی میرے لیے نامعلوم نہیں ہے، شادی نہایت سادگی سے ہوگی، صرف چند مہمان ہوں گے، جہیز کی نمائش قطعاً نہیں کی جائے گی، نہ کسی کے سامنے فہرست رکھی جائے گی کہ میکے سے دُلہن کو یہ ملا ہے، ہم جانیں اور دُلہن جانیں، اللہ اللہ خیر صلاّ۔"

نشاط نے بھی ماں کی تائید کی، کہنے لگی۔

"اور کیا ——— ارجمند کے پا لینے کے بعد ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے!"

یہ الفاظ سن کر امجدی کو نئی زندگی مل گئی!

وہ ساری پریشانی اور کلفت جس نے انہیں بے جان کر رکھا تھا دفعتہً سرورِ بے کراں سے بدل گئی۔

اختری خانم ان کی نظر میں اتنی عظیم و جلیل کبھی نہیں تھیں جتنی آج نظر آ رہی تھیں۔

نشاط ان کی نگاہ میں اتنی محبوب کبھی نہیں تھی، جتنی آج تھی —!

ان کا جی چاہا کہ شکریہ ادا کریں، لیکن قوتِ گفتار نے ساتھ نہ دیا۔

خوددار جمبند کی بھی یہی کیفیت تھی —— !

گو وہ اپنے آپ کو ہمیشہ سے بڑھا چڑھا کر دکھانے کی عادی تھی، اور اس گھر میں جب سے آئی تھی یہاں بھی اس نے اپنے وطیرے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی!

لیکن، اپنے آپ کو، اپنے آپ سے تو نہیں چھپا سکتی تھی! بہرحال جانتی تھی، گھر کے حالات کیا ہیں؟ زندگی کس طور سے گزر رہی ہے؟ مستقبل کتنا تاریک ہے؟ حالات کس درجہ مایوس کن ہیں؟

وہ بھی اکثر سوچا کرتی تھی کہ گو اختری خانم نے اسے اپنی بہو بنا لینا منظور کر لیا ہے، اگرچہ انور اسے بہت زیادہ چاہنے لگا ہے، اور نشاط بھی اس پر واری صدقے ہوتی رہتی ہے، لیکن شادی کے بعد، جب وہ ننگی بچی دلہن بن کر اس گھر میں آئے گی تو اس کی کیا وقعت ساس، نند، اور شوہر کی نظر میں رہ جائیگی؟

لیکن اس وقت کی باتوں نے اسے بالکل مطمئن کر دیا۔

دفعتہً نشاط کو ایک اور ترکیب سوجھی اس نے ماں سے کہا۔

"امّی جان یہ تو سچ ہے کہ نکاح سادگی سے ہوگا، بارات میں زیادہ لوگ نہیں جائیں گے، اور جہیز کی نمائش کی قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن خودارجمند کے رشتے دار، محلّے والے، عزیز، قریب، سہیلیاں، یہ سب لوگ بھی تو شریک ہوں گے!"

اختری خانم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تو پھر؟ —— انھیں شریک ہونے سے کس نے منع کیا ہے؟"

وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"یہ لوگ ضرور کسی نہ کسی طرح معلوم کرلیں گے کہ دلہن کو کتنے جوڑے ملے ہیں؟ کتنے زیورات دیے گئے ہیں؟ کس قدر سامان ملا ہے؟"

نشاط کے یہ الفاظ سن کر امجدی اور ارجمند پھر اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہوگئیں، پھر ان کے دل دھڑکنے لگے، پھر پریشانی اور کلفت نے انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔

واقعی یہ تو ہوگا؟

اور اس کا علاج کیا ہے؟

کچھ نہیں!

اختری خانم نے جل کر سوال کیا۔

" لڑکی تیرا مطلب کیا ہے ؟"

وہ بڑے اطمینان سے فیصلہ کن لہجہ میں بولی -

" امّی میری ایک تجویز ہے ــــــــــ !

انھوں نے ذرا پریشان ہوتے ہوئے کہ یہ لڑکی نہ جانے کیا کہہ گزرے ؟ پوچھا -

" کیا تجویز ہے تمھاری ؟"

اس نے لڑکی کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا -

" کیا آپ مان لیں گی ؟ ــــــــــ

اور پھر اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور کہنے لگی -

" مان لیجئے ، میری امّی نہیں !"

انھوں نے اس کے ہاتھ اپنے گلے سے ہٹاتے ہوئے پوچھا -

" لیکن وہ تجویز کیا ہے ؟ یہ بھی تو معلوم ہو !"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی -

" بڑی عمدہ ، اچھی ، اور اچھوتی تجویز ہے "

وہ خفا ہو گئیں -

" یوں ہی وقت ضائع کرتی رہے گی بتائے گی نہیں ؟ ــــــــــ میں جاتی ہوں !"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں، نشاط نے پھر دامن پکڑ کر اُنھیں بٹھا لیا اور کہا۔

"امّی جان میری تجویز یہ ہے کہ جو کچھ آپ اس گھر میں آنے کے بعد ارجمند کو زیورات، ملبوسات، اور سامان کی صورت میں دینے والی ہیں، وہ سب یا اس کا بڑا حصّہ کل جاتے وقت خالہ جان (امجدی) کو دے دیجیے!"

انھوں نے ذرا بگڑ کر پوچھا۔

"کیوں؟ —— یہ کیوں؟"

وہ بولی۔

"خالہ جان یہ چیزیں اپنی طرف سے ارجمند کو دے دینگی!"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ ارجمند والے جو یہ معلوم کرنے کی فکر میں ہوں گے کہ اسے کیا مل رہا ہے، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور ان کی آنکھیں چکاچوند ہو جائیں گی؟"

امجدی اور ارجمند نے بیک وقت سوچا۔

"کتنی اچھی تجویز ہے، کاش بڑی بی مان لیں!"

نشاط نے کہا۔

” جب ہمارا اور خالہ جان کا معاملہ ایک ہے، تو پہلے سے یہ چیزیں وہ اپنی طرف سے دے کر سُرخ رُو ہو جائیں، آنا ان سب چیزوں کو پھر یہیں ہے! کوئی خالہ جان اپنے گھر میں تو رکھ نہیں لیں گی!“

بے ساختہ امجدی بیگم کے مُنہ سے نکلا۔

” اللہ نہ کرے میری نیّت اتنی خراب ہو!“

اختری خانم کو اس انکار سے ہنسی آگئی، کہنے لگیں۔

” تم بھی عجب چیز ہو، آگئیں اس چھوکری کی باتوں میں —— بھلا تمھیں اپنی صفائی دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

پھر قبل اس کے کہ امجدی بیگم جواب میں کچھ کہیں، وہ بولیں۔

” یوں نشاط کی تجویز بُری نہیں ہے، لیکن ——“

امجدی خانم اشتیاق و حسرت کے ساتھ، اختری خانم کے جھرّیوں پڑے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں کہ دیکھئے یہ ججّ کیا فیصلہ صادر کرتا ہے، اس لیے کہ لیکن کی رٹ خطرناک علامت تھی۔

امجدی بیگم کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

اختری خانم نے فیصلہ سُنا دیا۔

” ساری چیزیں دے دینا تو مناسب نہیں ہوگا، آخر یہاں بھی تو

دُلہن کو چڑھاوا دینا ہوگا!"

نشاط نے کچھ اُلجھتے ہوئے سوال کیا۔

"پھر امّی جان"——

وہ بولیں، اور فیصلہ کن لہجہ میں بولیں۔

"میرے خیال میں کچھ طلائی زیورات، کچھ نقرئی ظروف، کچھ ولایتی کراکری، ایک بکس میں رکھ کر امجدی کے ساتھ کر دی جائیں —— یہ چیزیں بے شک وہ اپنی طرف سے ارجمند کو دے دیں، رہیں باقی چیزیں وہ یہاں چڑھاوے کے طور پر اسے دے دی جائیں گی!"

نہایت عمدہ تجویز تھی، امجدی اور ارجمند دونوں پھڑک گئیں، لیکن کچھ بولنا خلافِ مصلحت تھا۔

اختری نے سوال کیا۔

"کیوں امجدی کیا کہتی ہو؟"

وہ کسی حد تک بے نیازی سے بولیں۔

"میری بہن میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ جو فیصلہ بھی کرو، مجھے منظور ہے!"

دل میں بہت خوش تھیں، لیکن اپنی خوشی کا ظاہر کرنا مناسب

نہیں سمجھتی تھیں، اس میں ہیٹی ہوتی تھی، اس طرح وہ لالچی سمجھی جائیں، بلکہ چھوٹے پن کی فرد جرم تک ان پر عائد کی جا سکتی تھی!

اس فیصلہ کے بعد مجلس خیر و خوبی کے ساتھ برخاست ہو گئی!

۲۷

دوسرے روز ناشتے پر ارجمند نہیں آئی، صرف نشاط موجود تھی!
انور نے کہا -
" بھئی وہ کہاں ہیں تمھاری ارجمند ؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی -
" آپ کی بننے کے لیے پردے کی بوبو بن کر بیٹھی ہیں ؟"
" اس لغویت کا کیا مطلب ؟"
" اس لغویت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کل باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے
شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے، اب وہ آپ کے سامنے تشریف نہیں

لائیں گی !"

"حماقت" ـــــــ

"جی ہاں ہے تو حماقت، لیکن زندہ رہنے کے لیے بہت سی حماقتیں کرنا ہی پڑتی ہیں ـــــــ بلکہ شاید زندہ رہنا، بجائے خود ایک بہت بڑی حماقت ہے !"

"اب آگئیں تم اپنی فلسفہ طرازی پر ؟"

"لیجیے خاموش ہوئی جاتی ہوں ـــــــ لیکن ایک خبر اور سن لیجیے !"

"وہ خبر بھی ایسی ہی مہمل اور لغو ہو گی !"

"میں تو خبر سناؤں گی، اس کی نوعیت کا فیصلہ آپ خود کریجیے گا"

"اچھا صاحب سنائیے ـــــــ کیا ہے وہ خبر آپ کی ؟"

"ارجمند بانو آج تشریف لیے جا رہی ہیں !"

(چونک کر) "ہو کیوں ؟"

"اب وہ پندرہ دن تک اپنے میکے میں قید رہیں گی، وہاں مایوں بیٹھیں گی، پھر ہم لوگ بارات لے کر جائیں گے، اور انھیں دلہن بنا کر لے آئیں گے، اور ـــــــ"

"لیکن آج جانا کیا ضرور ہے ؟"

"فیصلہ ہو چکا ہے؟"

"تمہی نے کیا ہو گا یہ فیصلہ!"

"جی نہیں، یہ فیصلہ اس گھر کی ملکۂ معظمہ نے کیا ہے، جن کے سامنے نہ آپ کی چل سکتی ہے، نہ آپ کی بہن کی!"

(دفعتہً گفتگو کا انداز بدل کر) کیا واقعی ارجمند آج جا رہی ہے؟"

"جی ہاں عرض تو کر رہی ہوں!"

"لیکن جانے سے پہلے ملاقات تو ہونی چاہیئے!"

"مشکل ہے!"

"تمہارے لیے بھی!"

"جی اس خاکسار کے لیے بھی!"

"میں نہیں مان سکتا، تم جو چاہو کر سکتی ہو!"

"لیکن یہ نہیں کر سکتی!"

"یہ کہو کرنا نہیں چاہتیں!"

"یہی سمجھ لیجیے!"

"دیکھو نشاط میں تمہیں پیٹ چلوں گا پھر!"

"یہ کس خطا پر؟"

"مجھے پریشان نہ کرو!"

"یعنی ارجمند کو کسی طرح یہاں لے آؤں؟"

"ہاں جی میرا مطلب یہی ہے!"

"آپ کا مطلب تو بے شک یہی ہے، لیکن اس کا عمل میں آنا بہت مشکل ہے!"

"نشاط تم اتنا تو مجھے چاہتی ہو، پھر بھی پریشان کئے جا رہی ہو!"

"اچھا میں کوئی ترکیب لڑاتی ہوں، لیکن میری عزت آپ کے ہاتھ ہے، دس پندرہ منٹ کے اندر اسے واپس کر دیجئے گا، ورنہ امی جان کو اگر پتہ چل گیا، تو نہ آپ کی خیریت ہے نہ میری!"

"بالکل اطمینان رکھو ایسا ہی ہوگا!"

نشاط مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی، اور ذرا دیر میں ارجمند کو لے کر آ گئی۔

ارجمند شرماتی، لجاتی آئی، اور انور کو دیکھ کر چونک پڑی، پھر اس نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ دھوکا؟"

وہ بولی۔

"زندگی ایک دھوکا ہی ہے میری عزیز بہن!"

"میں جاتی ہوں! —— تم نے تو مجھے کہیں کا نہ رکھا، اماں جی (اختری) کو پتہ چل گیا، تو غضب ہو جائے گا!"

"اطمینان رکھو انھیں پتہ نہیں چلے گا، میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے، لیکن یہ تاکید ہے کہ پندرہ منٹ سے زیادہ ٹھہرو گی تو ضرور پتہ چل جائے گا!"

"میں پندرہ منٹ بھی نہیں ٹھہرنا چاہتی!"

انور اب تک خاموش تھا، اب اس نے کہا۔

"تم اتنی بے مروت اور سخت دل تو کبھی نہ تھیں"

وہ عاجزی کے ساتھ بولی۔

"لیکن اسے دیکھئے نشاط تو مجھے دھوکا دے کر لے آئی!"

"یہ خطا نشاط کی نہیں میری ہے، اس نے بتایا، آج تم جا رہی ہو، میں اسے گوارا نہ کر سکا کہ مجھ سے ملے بغیر چلی جاؤ —— پھر ایک ضروری کام بھی تھا!"

"(گھبرائے ہوئے انداز میں) تو کہیے جلدی کیا ہے وہ کام؟ آپ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، میری شامت آ جائے گی مفت میں؟"

"اچھی بات، نہیں روکتا، چلی جاؤ، یہ پندرہ دن جس طرح ہو سکے گا گزار لوں گا، لیکن ——

یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا، اور ایک جگمگاتی ہوئی انگوٹھی نکال کر ارجمند کی انگلی میں پہنا دی۔

ارجمند کا چہرہ وفورِ شرم سے سُرخ ہوگیا، پھر اس نے وہ انگشتری والا ہاتھ انور کے ہاتھ سے چھڑا لیا، اور تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی ——— تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی!

۲۸

تاریخ مقررہ پر انور میاں دولھا بن کر پھول پور روانہ ہوئے۔ دوستوں اور عزیزوں کا ایک مختصر سا قافلہ بھی ساتھ تھا۔ اختری خانم اور نشاط بھی اس شان سے روانہ ہوئیں کہ اپنے زیور اور لباس کے اعتبار سے اختری خانم بجائے خود بڑھاپے کے باوجود دلھن معلوم ہو رہی تھیں اور نشاط کا تو کہنا ہی کیا ——— زیب دیتا تھا اسے جس قدر اچھا کہیے!

طے یہ ہوا تھا کہ نکاح پارٹی پھول پور سے دوسرے دن دُلہن کو لے کر خیر و خوبی کے ساتھ باجوں کے شور اور مبارکباد کے نعروں

کے ہجوم ہیں واپس آئے گی۔

گھر میں صرف نصیبن رہ گئی تھی اتنا بڑا گھر اور اکیلی نصیبن، یا باہر مردانے میں احمد بخش گھر کا پرانا خادم اور نمک خوار۔

بارات کے جانے کے بعد نصیبن کو یہ اتنا بڑا سا گھر کاٹے کھاتا تھا، لیکن قدرت مہربان تھی اس کی یہ تنہائی بہت جلد بڑے عجیب طریقے سے دور ہو گئی۔

نصیبن بیٹھی اپنے لیے روٹیاں پکا رہی تھی کہ احمد بخش کی آواز آئی۔

"سواریاں آئی ہیں!"

وہ روٹی پکاتے پکاتے حیران ہو کر سوچنے لگی یہ سواریاں کہاں سے آئی ہیں؟

اتنے میں دیکھتی کیا ہے کہ صفیہ چلی آ رہی ہے ——— اور اس کے پیچھے پیچھے مسعود! اور اس کے عقب میں غفور!

اتنے دنوں میں ان دونوں لڑکوں کی رو بہت ہی بدل گئی تھی، دونوں اب بالکل بھلے چنگے تھے، خوب اچھی طرح سے رنگ نکھر آیا تھا۔

نصیبن کو، ان نوواردوں کے لیے کچھ زیادہ اہتمام نہیں

کرنا پڑا۔

گھر آئینے کی طرح صاف تھا، تمام سامان قرینے سے سجا ہوا تھا۔ ہر کمرہ، ہر طرح سے آراستہ پیراستہ تھا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ آخر یہ رات گزر کر کل دوپہر کو دلہن آنے والی تھی، اس کے آنے کے بعد تو گھر سجایا نہیں جا سکتا تھا!

نصیبن نے لے جا کر صفیہ کو نشاط کے کمرے میں بٹھایا، مسعود کی بلائیں لیں، بلائیں لیتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ خالدہ کا لڑکا تھا، اور خالدہ نے اسے کبھی ملازمہ نہیں سمجھا تھا، ہمیشہ بے انتہا حسن سلوک سے پیش آیا کرتی تھی، غفور کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"یہ موا تو بہت موٹا ہو گیا ہے ———"

وہ کہنے لگا "کیا تمہاری طرح؟ ——— ابھی اور موٹا ہونگا!"

"نہ جانے کس چکی کا آٹا کھایا کرتا ہے؟"

وہ بولا: "تم تو اسی غم میں مر جاؤ گی ایک دن ——— جب تک یہاں تھا جب بھی جلا کرتی تھیں مجھے دیکھ دیکھ کر، اب چلا گیا ہوں، اور مہمان بن کر دو دن کے لیے آیا ہوں تو بھی دم نکلا جا رہا ہے ———"

صفیہ ہنسنے لگی۔

"کیوں بدتمیزی کرتا ہے؟ ——— چپ رہ!"

نصیبن نے گویا صفیہ کی جھاڑ نہیں سنی کہنے لگی۔

"دو دن کے بابے مہمان بن کر کیوں آیا ہے؟ کیا پھر چلا جائے گا؟"

وہ اتراتا ہوا بولا۔

"اور کیا رہوں گا؟ ——— جہاں مس سرکار (صفیہ) وہاں میں جہاں میرے بھیا (مسعود) وہاں ہیں!"

وہ اور زیادہ حیران ہو کر کہنے لگی۔

"تو کیا بھیا بھی چلے جائیں گے؟"

وہ پہلے سے بھی زیادہ اترا کر بولا۔

"چلے نہیں جائیں گے تو کیا یہیں رہیں گے؟ کچھ خبر بھی ہے، ہماری سرکار نے انھیں اپنا لڑکا بنا لیا ہے!"

نصیبن نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اب کیا کہے؟ صرف اتنا کہہ سکی۔

"اچھا ———"

اتنے میں اسے یاد آگیا اتنی بڑی سرکار کی کچھ تو اضع بھی تو کرنی چاہیئے، کہنے لگی۔

" چائے بنالاؤں، ابھی آئی !"

صفیہ آرام کرسی پر سر ٹکاتی ہوئی بولی۔

" ہاں بھئی چائے ضرور لاؤ، تھک گئے اتنے سفر سے ہم تو۔
——— اور ہاں وہاں باہر نثار اور ظہور کو بھی بھیجدینا۔

وہ بولی۔

" بہت خوب !"

پھر صفیہ نے پوچھا۔

" لیکن یہ گھر خالی خالی کیوں ہے ؟ ——— یہاں تو کوئی نظر ہی نہیں آرہا ہے، نہ خالہ (اختری) کہیں دکھائی دیتی ہیں نہ نشاط نظر آرہی ہے، نہ بھائی صاحب ہیں، ارجمند اور امجدی تو خیر واپس چلی گئی ہوں گی ——— آخر یہ ماجرا کیا ہے ؟"

وہ جاتے ہوئے کہنے لگی۔

" چائے لے آؤں تو ابھی بتاتی ہوں سب کچھ ! ——— بہت کچھ کہنا ہے میری سرکار، میں نے تو بڑی بٹیا (خالدہ) کا نمک کھایا ہے، آپ کی زرخرید ہوں، جھوٹ نہیں بولوں گی ———"

یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور چائے بنانے چلی گئی اور صفیہ سوچنے لگی

" ضرور کچھ دال میں کالا ہے ؟"

۲۹

نصیبن نے جلدی جلدی چائے بنائی، اور لاکر صفیہ کے سامنے رکھدی، پھر احمد بخش کو بُلا کر باہر نثار اور ظہور کے پیسے بھجدی۔ اس کے بعد اطمینان سے آکر صفیہ کے پاؤں کے پاس زمین پر بیٹھ گئی، اور کہنے لگی۔

"چھوٹی بٹیا آپ یک بیک کیسے آگئیں؟ کوئی اطلاع بھی نہیں دی؟"

صفیہ نے چائے کا گھونٹ حلق سے اُتارتے ہوئے کہا۔

"مسعود کو اللہ نے صحت عطا کردی، خان پور کے اسکول میں،

اس کا داخلہ بھی میں نے کرا دیا، آج کل چھٹیاں تھیں، میں نے کہا لاؤ دو چار روز کے لیے لڑکے کو لے کر احمد نگر چلی جاؤں، اپنی دادی، پھوپھی اور باپ سے مل لے گا، مجھ سے اتنا ہل گیا ہے کہ میرے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا اسی لیے مجھے آنا پڑا ساتھ ساتھ، ورنہ نثار یا ظہور کے ہاتھ بھجوا دیتی!"

مسعود نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا۔

"میں تو کبھی نہ آتا نثار یا ظہور کے ساتھ!"

صفیہ نے بے بسی کے ساتھ نصیبن کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سن رہی ہو، خدا اسے سلامت رکھے، ہر وقت میرے دامن سے چمٹا رہتا ہے۔ اس کے دل میں یہ وہم سما گیا ہے کہیں آپا کی طرح میں بھی اسے چھوڑ کر نہ چلی جاؤں!"

یہ کہتے کہتے صفیہ کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں، مسعود اس کی گود میں آ کر بیٹھ گیا، اور اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگا۔

"خالہ جان روئیے نہیں، آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگتا ہے!"

صفیہ نے اسے اپنے کلیجہ سے لگا لیا، اور اس سے پیار کرتے ہوئے کہا۔

" خدا نے مجھے تیرے ہی لیے زندہ رکھا ہے میرے بچے !"
تھوڑی دیر کے بعد مسعود گھر میں اِدھر اُدھر گشت کرنے لگا
صفیہ نے نصیبن سے کہا۔

" تم نے بتایا نہیں یہ لوگ کہاں گئے ہیں ؟"
وہ منہ پھلا کر بولی۔

" پھول پور گئے ہیں، اور کہاں جاتے !"
صفیہ کا شوقِ تجسس کچھ اور بڑھ گیا۔ اس نے پوچھا۔

" وہاں کیوں گئے ہیں ؟ کیا امجدی کے ہاں ؟"
وہ بولی۔

" جی ہاں وہیں ؟"
صفیہ نے پھر سوال کیا۔

" کیا شادی طے ہو گئی !"
وہ غمگین لہجے میں بولی۔

" کب کی" ———
صفیہ نے آخری سوال کیا۔

" تو کیا یہاں سے بارات لے کر گئے ہیں وہ لوگ ؟"
نصیبن نے ایک آہ سرد کے ساتھ جواب دیا۔

"جی ——"

صفیہ نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا۔

"ہاں بھئی یہ تو ہونا ہی تھا، میں اپنے دورانِ قیام ہی میں سمجھ گئی تھی یہ ہو کر رہے گا!"

نصیبن خاموش رہی، ذرا دیر خاموش رہ کر صفیہ نے کہا۔

"وہ لوگ کب آئیں گے؟"

نصیبن نے بتایا۔

"کل دوپہر کو آجائیں گے دُلہن کے ساتھ!"

صفیہ کچھ سوچنے لگی، پھر اس نے کہا۔

"تو مجھے واپس چلا جانا چاہیے، نصیبن میں واپس جاؤں گی، مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے، میں بھائی صاحب کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہوں، ابھی تو خیر وہ جوان ہیں، لیکن اگر بوڑھے ہوتے تو بھی بغیر شادی کئے نہ رہتے، لیکن اپنی آنکھوں سے میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتی کہ کوئی عورت آئے اور میرے سامنے آپا کی جگہ لے لے ہو سکتا ہے کچھ روز بعد یہ منظر دیکھنے کا حوصلہ مجھ میں پیدا ہو جائے لیکن ابھی تو نہیں ہے!"

نصیبن کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں گرنے لگیں، صفیہ نے کہا۔

" جاؤ نثار سے کہو، اسٹیشن سے جاکر دریافت کر آئے خان پور گاڑی کس وقت جاتی ہے، میں پہلی گاڑی سے واپس جاؤں گی !"

اس گفتگو کے دوران میں مسعود بھی آگیا تھا، اس نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

" ہاں خالہ جان چلیے، میرا بھی یہاں جی نہیں لگتا، امی بہت یاد آتی ہیں !"

نصیبن ان دونوں کو مصروفِ گفتگو چھوڑ کر، نثار سے ٹرین کا وقت دریافت کرنے چلی گئی تھی اس نے واپس آکر بتایا۔

" وہ کہتا ہے، نو بجے رات کو یہاں سے ٹرانک (ڈاک) گاڑی جائے گی، صبح صبح احمد نگر پہنچ جائے گی !"

صفیہ مطمئن ہو گئی، اس نے کہا۔

" ٹھیک ہے، ہم اسی ٹرین سے جائیں گے !"

نصیبن کا جی نہیں چاہتا تھا کہ صفیہ جائے لیکن وہ روک بھی نہیں سکتی تھی اس لیے خاموش ہو رہی !

۳۰

نصیبن اسی طرح صفیہ کے پاؤں کے پاس زمین پر پلتھی مارے بیٹھی تھی، کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا۔

"بٹیا میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ تمہارا واپس چلا جانا ہی اچھا ہے!"

صفیہ نے متحیر نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تم کیوں مناسب سمجھتی ہو؟ ــــــ اس کا سبب؟"

وہ پہلو بدلتی ہوئی بولی۔

"یہاں رہ کر آپ اور زیادہ کڑھیں گی"

تیوری پر بل ڈال کر صفیہ نے پوچھا۔

"کیوں کڑھوں گی ؟"

وہ کہنے لگی -

"جب آپ دیکھیں گی کہ بڑی بٹیا (خالدہ) کے تمام زیور، تمام کپڑے دوشالے، برتن، چینی کے سیٹ، آبنوس اور صندل کے بکس، جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں، اور جو صرف ان کے تھے، اور اب امیان کی پوچھو تو ان کے لڑکے کے ہیں، آدھے ارجمند بانو کو مل گئے، اور آدھے بٹیا (نشاط) کے لیے رکھ لیے گئے، تو کیا آپ کا دل نہیں کڑھے گا ؟"

صفیہ کا بدن سنسنانے لگا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ تن بدن سے کانپنے لگی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا -

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے نصیبن ؟"

وہ غمزدہ لہجہ میں بولی ،

"بٹیا جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے وہی کہہ رہی ہوں !"

صفیہ نے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا -

"کیا واقعی آپا کی چیزیں ارجمند اور نشاط کو دے دی گئیں ؟"

وہ بولی -

"ہاں بٹیا کہہ جو رہی ہوں، کیا جھوٹ بول رہی ہوں !"

"لیکن وہ چیزیں تو مسعود کی ہیں، ہماری ہیں، ان پر کسی کا کیا حق ؟

اس نے تائید میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بے شک ——— یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں!"

صفیہ نے نصیبن کو مخاطب کئے بغیر خود ہی گویا عالمِ خیال میں اپنے آپ سے کہنا شروع کیا تھا۔

"آپا کا مہر ایک لاکھ روپیہ تھا، ہم اس مہر کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں، اور اگر کریں، تو یہ گھر نیلام ہو جائے گا، پھر بھی ادا نہ ہوگا!"

نصیبن نے اتفاقِ رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی بٹیا بے شک ———"

صفیہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں نے سوچا تھا کہ مہر معاف کر دیا جائے گا، البتہ آپا کا سامان مسعود کی بیوی کے لیے محفوظ کر دیا جائے گا!"

مسعود اپنی بیوی کا ذکر سن کر مسکرانے لگا۔

صفیہ نے بڑے میٹھے لہجہ میں کہا۔

"لیکن یہ لالچی لوگ ——— یہ لالچی لوگ، اس پر قناعت نہ کر سکے، انھوں نے سوچا پھر کون مانگتا ہے، اور کون دیتا ہے' مرنے والی ہزاروں کا جو زیور اور سامان چھوڑ گئی ہے، اس کے بھی وارے نیارے کر دئیے جائیں!"

"جی اور کیا" ——

"لیکن میں نہیں ہونے دوں گی ایسا !"

"ہاں اور کیا، —— جس کا حق ہے اسی کو ملنا چاہیئے !"

"میرے پاس ایک ایک چیز کی فہرست ہے، میں ایک ایک چیز وصول کر کے رہوں گی !"

"لیکن بٹیا یہ بہت مشکل ہے !"

"چپ رہو نصیبن —— مشکل کیا ہے؟ مجھے ٹیڑھی انگلیوں سے بھی گھی نکالنا آتا ہے، میرا شوہر چوٹی کا بیرسٹر ہے وہ انھیں عدالت میں کھینچ کر دودھ کا دودھ، اور پانی کا پانی الگ کرا کے رہے گا !"

"اے ہاں اور کیا، —— اقبال میاں کا لوہا تو سارا ملک مانتا ہے، ان سے بڑا بالسٹر (بیرسٹر) کون ہے ؟"

صفیہ نے نصیبن کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، اس سے کہا۔

"جاؤ، ظہور کو بلا لاؤ —— فوراً !"

وہ جلدی سے اُٹھی، اور ظہور کو بلا لائی، وہ آئے، اور خمیدہ سر کھڑے ہو گئے آ کر، صفیہ نے ان سے کہا۔

"نثار کو یہاں میرے پاس چھوڑ دیجئے، آپ رات کی گاڑی سے مسعود کو لے کر احمد نگر چلے جائیے، میں یہاں صرف ایک دن رہوں گی،

معاملات کا فیصلہ کرکے کل رات کی گاڑی سے میں بھی روانہ ہو جاؤنگی!"

مسعود صفیہ سے لپٹ گیا اور کہنے لگا،

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا!"

صفیہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اچھے بچے ضد نہیں کرتے، تم جاؤ، میں کل ضرور آجاؤں گی!"

مسعود نے پھر ضد نہیں کی، خالہ کی بات مان گیا!

GIRLS SECONDARY SCHOOL LIBRARY

۳۱

دوسرے روز صفیہ اطمینان سے نشاط کے کمرے میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی، یہ کمرہ، صدر دروازے سے بہت قریب تھا، کوئی گیارہ بجے دوپہر کو شہنائی اور باجوں کا شور سنائی دیا،

صفیہ سمجھ گئی، دلہن کوٹے کر بارات آرہی ہے۔

اتنے میں نصیبن دوڑی دوڑی آئی اور کہنے لگی۔

" بٹیا، بٹیا ——— بارات آگئی!"

وہ بے پروائی اور نخوت کے ساتھ بولی۔

" ہاں مجھے بھی معلوم ہے، یہاں ٹھہرنے کی تجھے ضرورت نہیں جا اپنا

کام کر!"

وہ اُلٹے پاؤں واپس چلی گئی، ذرا دیر میں سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا، بڑی دھوم دھام سے دُلہن کی پالکی آئی، پردہ ہٹایا گیا — اس تکلف سے کہ گویا بت کدہ کا در کھلا!"

دولہن کو ساس نے، نند نے، دولہا نے، حاضر الوقت مہمانوں نے بڑے چاؤ، اور جوش سے اُتارا،

دُلہن کے لیے نشاط کا کمرہ تیار کیا گیا تھا، سب لوگوں کے جلوس میں، موم کی گڑیا بنی دُلہن نشاط کے نشاط خانے میں پہنچی —

لیکن ——

لیکن وہاں صفیہ کو موجود پا کر سب دنگ رہ گئے۔

اور خاص طور پر، اختری کی تو یہ حالت ہوئی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں!

انور کا ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا۔

نشاط جب گھر میں آئی تھی تو پھول کی طرح اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، لیکن اب وہ پھول مرجھایا ہوا نظر آرہا تھا۔

امجدی بیگم کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ ان کی وہ دیرینہ آرزو اور حسرت پوری ہو گئی تھی ——— دن گنے جاتے تھے جس دن

کے لیے ! ——— لیکن، دفعتہً ان کا اور شبیر کا اگر سامنا ہو جاتا تو شاید یہ کیفیت نہ ہوتی، جو صفیہ کو دیکھ کر ہوئی تھی!

ارجمند کا سارا بدن مع چہرے کے ان کپڑوں میں جو خالدہ کے تھے اور ان زیوروں میں جو کبھی صرف خالدہ کے تھے، ڈھکا اور چھپا ہوا تھا، وہ سب کو دیکھ رہی تھی، اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا لیکن اگر کوئی اس کا مقنع اٹھا کر اسے دیکھ سکتا تو دیکھ لیتا کہ اس کا چہرہ زرد تھا، اس کی یہ کیفیت تھی جیسے رنگے ہاتھوں کوئی چور پکڑ لیا گیا ہو!

ان سب میں انور زیادہ باحوصلہ ثابت ہوا، اس نے اپنی کیفیت پر غالب آتے ہوئے کہا۔

"صفیہ تم کب آئیں؟"

وہ زہرخند کرتی ہوئی بولی۔

"آپ نے نہیں بلایا، یہ الگ بات ہے، لیکن مجھے تو آنا ہی چاہیے تھا، آ گئی!"

یہ چند الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے جو براہِ راست امنگوں اور آرزوؤں سے بھرپور دولہا کے دل میں جا کر لگے، اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر کہہ نہ سکا، جیسے کسی نے زبان پکڑ لی ہو۔

صفیہ نے نشاط سے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"دولہن کی کیا جان لوگی؟ ——— اس کا مُنہ کھولو، یہ کپڑوں کا بوجھ اُتارو!"

دُلہن کا منہ کھولا گیا، جن کپڑوں میں وہ لپٹی ہوئی تھی، وہ اُتارے گئے۔ صفیہ نے دیکھا دلہن وہی لباسِ عروسی زیب تن کئے ہوئے تھی جو خالدہ کو بہت پسند تھا، اس کے ہاتھوں میں، گلے میں، پاؤں میں وہی زیور تھے جو خالدہ کے زیب تن اور زیب بدن رہتے تھے۔

خود نشاط کے بدن پر بھی خالدہ ہی کا زرکار و زرنگار ملبوس تھا اور وہی زیورات جو خالدہ اپنی زندگی میں پہنا کرتی تھی، صفیہ کی آنکھیں دیکھتے دیکھتے ان چیزوں سے مانوس ہو چکی تھیں، وہ اپنی بہن کی ایک ایک چیز کو خوب اچھی طرح پہچانتی تھی۔

نشاط اور ارجمند کو اپنی مرحومہ بہن کی اترن پہنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، لیکن یہ وقت جھگڑا کرنے کا نہیں تھا۔ خاموش ہی رہنے میں اس نے مصلحت سمجھی!

اختری خانم کو کچھ اور نہ سوجھا، وہ مجمع کو چیرتی ہوئی، ہنپتا ہانپتی اور دیوانہ وار آگے بڑھیں، صفیہ کے پاس پہنچیں، اسے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا، اور اسے سینہ سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، نشاط کی آنکھیں بھی پُرآب ہو گئیں، انور خاموشی سے

دبے پاؤں کمرہ سے باہر نکل گیا۔ نشاط اور اختری کے یہ آنسو مگرمچھ کے آنسو تھے، ان میں غم نہ تھا، صدمہ نہ تھا، ہاں ضمیر کی چبھن اور ندامت کی خلش ضرور تھی!

صفیہ نے اس گرمجوشی اور دعوتِ اُلفت کا جواب صرف خاموشی سے دیا۔!

۳۲

انور کے گھر میں صفیہ کا آنا ـــــــ عجب اک سانحہ سا ہوگیا تھا!

درحقیقت ایسا موقع پر، اور ان لوگوں کے خیال میں ایسے بے تکے وقت وہ آئی تھی کہ کچھ بنائے نہیں بن پڑ رہا تھا!

صفیہ کے لیے وہی کمرہ خالی کرایا، جس میں خالدہ رہا کرتی تھی، اس کمرے میں رات کاٹنا اسے دوبھر ہوگیا۔ بار بار خالدہ کی تصویر نگاہِ تصور کے سامنے آتی، اور اس سے باتیں کرنے لگتی۔

نہ جانے کب تک عالمِ خیال میں وہ خالدہ کو دیکھتی رہی، اور روتی

رہی، پھر کہیں جاکر نیند آئی، وہ بھی اُکھڑی اُکھڑی سی۔

اِدھر صفیہ تو اس حالت میں تھی، اُدھر امجدی، اختری، نشاط، انورہ سب پر ایک سوگ سا طاری تھا۔

سب یہ محسوس کر رہے تھے، صفیہ کا آنا، اور خالدہ کے ملبوسات اور زیورات کو ارجمند اور نشاط کے بدن پر دیکھ لینا بالا بالا نہیں جا سکتا، یہ کسی زبردست طوفان کا پیش خیمہ ہے!

نشاط نے اختری سے کہا۔

"امّی یہ تو بہت بُرا ہُوا!"

وہ اضطراب اور تشویش کے لہجہ میں بولیں۔

"ہاں بیٹی بہت بُرا ہُوا!"

نشاط کہنے لگی۔

"انھوں نے سب کچھ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اب کوئی بات بھی تو نہیں بنائی جا سکتی!"

اختری خانم نے اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہی تو غضب کی بات ہے، —— اس نمک حرام نصیبن سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ جلدی سے احمد بخش کو دوڑا دیتی۔

امجدی بیگم کہنے لگیں۔

"ہاں اس مالزادی نے یہ کیا ہوتا تو ہم پہلے سے کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیتے، پھول پور کے لوگوں نے تو سب کچھ دیکھ ہی لیا تھا، کچھ جلے تھے، کچھ خوش ہوئے تھے، یہاں آتے وقت سارا سامان اُتار کر بکس میں رکھ لیتے پھر صفیہ کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملتا!

اتنے میں قسمت کی ماری نصیبن بھی آگئی، اسے دیکھ کر اختری خانم جل کر کباب ہی تو ہوگئیں، کہنے لگیں -

میں کہتی ہوں حرام زادی اگر تو اپنے دھگڑے احمد بخش کو پھول پور بھیج کر صفیہ کا کہلا دیتی، تو آج ہم اتنے ذلیل کیوں ہوتے!"

وہ اپنی صفائی دیتی ہوئی بولی -

"بی بی، وہ موا (احمد بخش) میری سن لیتا! ذرا بازار جانے کو کہتی ہوں تو ہزار بہانے بناتا ہے!"

امجدی بیگم نے لقمہ دیا -

"تو نے کہا تو ہوتا!"

نصیبن کو عافیت اسی میں نظر آئی کہ اعترافِ خطا کر لے، کہنے لگی -

"ہاں بی بی یہ تو چوک ہو گئی!"

نشاط کہنے لگی -

"تجھ سے تو چوک ہوگئی ، اور ہم یہاں کہیں کے نہ رہے !"
اختری خانم کہنے لگیں ۔

"سوچ یہ رہی ہوں کہ اگر کل کو صفیہ نے یہ سوال اٹھایا تو ہم کیا جواب دیں گے ؟ ——— کوئی جواب دے بھی سکتے ہیں ؟"
نشاط نے ماں کی ہاں میں ہاں ملائی اور بولی ۔

"جی ہاں یہی میں بھی سوچ رہی ہوں ، اور دیکھ لیجئے گا ، یہ سوال کل ہی اٹھے گا ، اور ضرور اٹھے گا !"
امجدی بیگم میں جیسے ایک نئی روح حلول کر گئی ، انھوں نے حوصلہ مندی اور جوش کے ساتھ کہا ۔

"بی بی مفت میں ڈر رہی ہو ، آخر اس چھوکری کی بساط کیا ہے ؟ میں کہتی ہوں وہ کر کیا لے گی ؟ وہ کر ہی کیا سکتی ہے ؟"
اختری خانم نے جیسے انھیں ڈراتے ہوئے کہا ۔

"یہ نہ کہو ——— تم نہیں جانتیں صفیہ کو !"
وہ سینے پر ہاتھ مار کر گویا ہوئیں ۔

"اچھا تو ایک بات کرو ——— بتاؤ کرو گی !"
اختری خانم نے سوال کیا ۔

"کیا چاہتی ہو تم ؟"

وہ کہنے لگیں۔

"اگر صفیہ اس سوال کو اٹھائے تو بہرے اوپر چھوڑ دو!"

"تم کیا کر لو گی؟"

"مزاج درست کر دوں گی اُس کا ——— !"

"کیا لڑو گی؟"

"بے شک ——— اگر ضرورت پڑی تو لڑ دوں گی، اور مزہ چکھا دوں گی، میرا نام بھی امجدی بیگم ہے!"

"بے شک آپ کا نام امجدی بیگم ہے لیکن آپ کیا کر لیں گی؟"

وہ بڑے تیور کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"دیکھ لینا ——— ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟"

"کچھ ابھی بتا دیجئے، تاکہ اندازہ تو ہو سکے!"

"خالدہ انور کی بیوی تھی، کہو، ہاں" ———

"کہہ دیا ہاں ———"

"مسعود انور کا لڑکا ہے، کہو ہاں ———"

"چلئے کہہ دیا ہاں!"

"خالدہ کی ساری چیزیں جو مسعود کی ہیں، اور مسعود جب تک بڑا نہیں ہو جاتا اس کے باپ کی ہیں، ان چیزوں پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا،

اور اگر کرے گا، تو منہ کی کھائے گا۔"

اختری خانم کچھ سوچتی ہوئی فرمانے لگیں۔

"ہاں، اگر ہم لڑنے پر آئیں، تو یہ کہہ تو سکتے ہیں!"

نشاط نے ماں کو ایک طرح سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن امی جان اسے نہ بھولیئے کہ صفیہ باجی کا سلوک ہمارے ساتھ ہمیشہ اچھا ہی رہا ہے۔ مسعود کو جب لے جا رہی تھیں، تب بھی مجھے ایک جڑاؤ ہار دے گئیں، بھابھی (ارجمند) کو ایک طلائی کنگن دے گئیں، خالہ جان کو قیمتی دوشالہ اوڑھا گئیں، آپ کو بڑی قیمتی چادر پہنا گئیں، اور جاتے وقت مٹھی بھر اشرفیاں دے گئیں، ان سے لڑنا کیا ہمیں زیب دے گا!"

اختری خانم پھر حوصلہ ہار گئیں۔

"یہی تو میں بھی سوچتی ہوں بیٹی!"

وہ کہنے لگی۔

"اور یہ بھی سوچئے، اپنی مرحومہ اور چہیتی بہن کی چیزیں دوسروں کے قبضے میں دیکھ کر انھیں غصہ آنا بھی چاہیئے!"

امجدی بیگم نے ہاتھ مٹکاتے ہوئے کہا۔

"تو بی بی لڑنا ہمیں بھی آتا ہے، کسی سے ہیٹے نہیں ہیں، نہ کسی کے زیر بیل ہیں!"

۳۴

بے چارہ اتو رکتنی امنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ ارجمند کو دلہن بنا کر لایا تھا، نشاط و مسرت، اور عیش و عشرت کے کیسے کیسے پروگرام وابستہ تھے اس تقریب سعید سے، لیکن یہ کمبخت صفیہ رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے، عین وقت پر آموجود ہوئی۔

حجلۂ عروسی میں میاں بیوی، بجائے اس کے کہ عشق و محبت کی باتیں کرتے ساری رات اسی فکر میں غرق رہے کہ اس بلا کو کیونکر ٹالا جائے۔

کیسی ہی پریشانی ہو، صدمہ ہو، غم ہو، وقت گزرتا ہی رہتا ہے، وہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

آخر یہ شبِ بلا ختم ہوئی، اور صبحِ قیامت نمودار ہوئی۔ میاں بیوی دونوں کی آنکھیں خمار آلود تھیں، دونوں رات بھر تریب قریب جاگے تھے، دل کی کہانی کہنے اور سننے کے لیے نہیں، یہ مصیبت جو سامنے تھی اس کا حل تلاش کرنے کے لیے!

کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی، آخر معاملہ خدا اور قسمت کے حوالے کر دیا۔

ناشتہ کا اہتمام صبح ہوتے ہی نصیبن نے شروع کر دیا تھا، اس کا ہاتھ بٹانے اور ہدایت دینے کے لیے، نشاط بھی پہنچ گئی، لیکن نصیبن سارا کام کر چکی تھی، ایک خوان میں امجد ہی اور اختری کا ناشتہ رکھا تھا، ایک میں صفیہ کا، ایک میں نشاط، انور اور ارجمند کا!

نصیبن نے پوچھا۔

"پہلے کسے جائے گا؟"

وہ بولی، "پہلے امی کے ہاں پہنچا آؤ، میں اتنے میں صفیہ باجی کے ہاں پہنچائے آتی ہوں، پھر بجیا کے کمرے میں پہنچا دینا!"

نصیبن نے کہا۔

"بٹیا تم کیوں تکلیف کرو گی، جب میں موجود ہوں، چھوٹی بٹیا (صفیہ) کے کمرے میں بھی میں ہی پہنچا دوں گی!"

نشاط نے ذرا تلخی کے ساتھ کہا۔

"زیادہ بک بک نہ کرو، جو کہہ رہی ہوں وہ کرو!"

نصیبن کے لیے اب مجالِ دم زدن نہ تھی، اس نے ایک خوان اُٹھایا، اور اختری خانم کے ایوان کی طرف روانہ ہوگئی۔

نصیبن کے جانے کے بعد، نشاط نے وہ خوان جو صفیہ کے لیے تھا، اُٹھایا اور اپنے ہاتھ میں لے کر اس طرف چلی۔

صفیہ نماز پڑھ چکی تھی، تلاوت سے بھی فارغ ہو چکی تھی، وہ خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں ایک آرام کرسی پر دراز تھی۔ سامنے ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ اس پر رسالے، کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔

نشاط نے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ کتابیں ایک طرف رکھیں، میز صاف کی، اور خوان اس پر رکھ دیا، پھر کہنے لگی۔

"باجی ناشتہ کر لیجیے، ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ توس کھائیے، ——— میں چائے بناتی ہوں"

یہ کہہ کر وہ چائے بنانے لگی!

صفیہ نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو نشاط یاس و حرماں، شرمندگی اور ندامت، مجبوری اور بے بسی کا پیکر نظر آئی، چائے بنا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

صفیہ نے کہا۔

"نشاط میں ناشتہ نہیں کروں گی!"

نشاط نے سر جھکا کر، گویا وہ اس سے آنکھیں چار کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی کہا۔

"کیوں باجی ——"

صفیہ نے ایک مرتبہ پھر نشاط پر نظر ڈالی اور کہا۔

"اس وقت جی نہیں چاہتا —— دوپہر کے کھانے کے لیے میں نے نثار سے کہہ دیا ہے، وہ کسی ہوٹل سے لے آئے گا، شام کی گاڑی سے چلی ہی جاؤں گی ——"

نشاط کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، صفیہ نے کہا۔

نشاط، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے!"

وہ کھڑے کھڑے زمین پر بیٹھ گئی، اور صفیہ کے زانو پر سر رکھ کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

صفیہ کا دل نشاط کی یہ حالت دیکھ کر کڑھا، اس نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیوں رو رہی ہو نشاط، کہہ تو دیا مجھے تم سے نہ کوئی گلہ ہے نہ شکایت، نہ میں تم سے خفا ہوں؟"

نشاط نے صفیہ کے زانو پر سر رکھ دیا، اس کے پاؤں پکڑ لیے، اور پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ رونے لگی۔

صفیہ نے اس کا سر اٹھایا، اور اس کا منہ اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے اسے دیکھنے لگی، یہ نشاط تھی، انور کی بہن، خالدہ کی نند جسے خالدہ بہت چاہتی تھی، بالکل بہن کی طرح، اور خالدہ کی وجہ سے وہ خود بھی اس سے بہن ہی کا سا برتاؤ کرنے لگی تھی، آج وہ اس کے پاؤں پکڑے ہوئے تھی۔ آج وہ اس کے پاؤں پکڑے رو رہی تھی، آج وہ سراپا معذرت و ندامت بنی ہوئی تھی۔

یہ منظر صفیہ سے نہ دیکھا گیا، خود اس کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں اس نے نشاط کا سر اپنے سینے سے لگا لیا، اور کہا۔

"مت رو ————

لیکن نشاط کی آنکھوں سے آنسو جوئے رواں کی طرح بہہ رہے تھے، صفیہ نے اپنے دامن سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا۔

"بتاؤ تم کیا چاہتی ہو! ———— کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی؟"

وہ روتی ہوئی بولی۔

"آپ بے شک مجھ سے محبت کرتی ہیں، آپ نے بے شک ہم سب سے محبت کی، لیکن ہم احسان فراموشی کے مرتکب ہوئے ————

باجی کیا آپ معاف نہ کر دیں گی ؟"

صفیہ نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا -

" تمھیں معاف کر سکتی ہوں صرف تم کو ، باقی سب چور اور لٹیرے ہیں انھیں نہیں معاف کر سکتی ، انھیں ذلیل کروں گی ، رسوا کروں گی ، ضرورت ہوئی تو جیل بھجوں گی ، ہزاروں روپیہ خرچ کر دوں گی ، لیکن انھیں بے نقاب کر کے دم لوں گی ، اس گھر میں جو قیمتی چیز نظر آ رہی ہے ، وہ میرے باپ کی ہے ، میری بہن کی تھی ، اب میری اور مسعود کی ہے ، ان لٹیروں نے ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیا ، ان چیزوں کو اپنا مال سمجھ کر برتنے لگے ! انھیں شرم نہ آئی ؟ ان کی غیرت کہاں مر گئی تھی ، لیکن میری غلطی تھی ، یہ کیا جانیں شرم کیا بلا ہوتی ہے اور غیرت کس چیز کو کہتے ہیں ——— لیکن یہ نہیں ہو سکتا ، کبھی نہیں ہو سکتا ، اپنی بہن کی ایک ایک چیز فہرست سے ملا کر حساب کر کے لے جاؤں گی ، نہ ملی تو عدالت کے ذریعہ لوں گی ، اور صرف یہی نہیں اپنی بہن کا مہر بھی ان چوروں اور لٹیروں سے وصول کروں گی ——— جانتی ہو کتنا مہر ہے میری بہن کا ؟"

" جی ——— ایک لاکھ !"

" یہ ایک لاکھ روپیہ بھی ان قزاقوں کو اگلنا پڑے گا ، یہ گھر نیلام کرا دوں گی ، اس گھر کی ایک ایک چیز قرق کرا لوں گی ، دیوانی

کے جیل ہیں ، اگر پوری رقم وصول نہ ہوئی تو دولہا میاں کو بھیج دونگی اپنے پاس سے خرچ دوں گی ، اور جیل کی ہوا کھلا کر دم لوں گی ، غضب خدا کا یہ سنگ دلی ، یہ قساوت ابھی میری بہن کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے اور شادی رچالی گئی ، میری طرف سے جاہیں بھاڑ میں رچالی تھی تو رچالیتے ۔ لیکن ، لیکن میری بہن کے مال پر جواب میرا اور مسعود کا ہے ، اس ٹھاٹ باٹ کا حق کہاں سے پہنچتا تھا انھیں ؟

۳۴

صفیہ نے یہ باتیں بڑے جلال کے عالم میں کہیں، اور نشاط نے سرِ ندامت جھکا کر یہ سب باتیں سنیں۔ پھر وہ کہنے لگی۔

"باجی آپ نے ایک بات بھی غلط نہیں کہی ہے، میری کیا مجال ہے کہ آپ کی تردید کر سکوں!"

پھر ذرا دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"البتہ ایک بات کہنے کی اجازت چاہتی ہوں!"

صفیہ نے اجازت دے دی،

"کہو، سُن رہی ہوں!"

وہ بولی -

"یہ جو کچھ ہُوا مجبوری کے عالم میں ہُوا - !"

"مجبوری کیسی ؟"

"میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی ، ساری داستان سچ سچ عرض کر دوں گی - اگر آپ سن لیں ، اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیں ؟"

صفیہ نے نشاط کے چہرے کا اس کے الفاظ سے جائزہ لیتے ہوئے کہا -

"سنوں گی ، جو چاہو کہو !"

وہ کہنے لگی -

"بچپن سے آپ مجھ پر اتنی مہربان ہیں ، ہمیشہ سے آپ کا سلوک میرے ساتھ اتنا مشفقانہ رہا ہے ، یہاں سے جب آپ مسعود کو ساتھ لے کر جا رہی تھیں - تو جاتے وقت آپ نے امّی ، امجدی ، ارجمند وغیرہ کے ساتھ جو کچھ کیا ، وہ آپ کی عالی حوصلگی ، شرافت اور وسعتِ قلب کی دلیل تھی ، میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ صرف محبت کی بنا پر تھا" ———

"ہاں ٹھیک ہے ، بے شک ؟"

"بس آپ کی یہ محبت مجھے کچوکے دیتی رہی، میری آنکھوں پر، پردے پڑے ہوئے تھے۔ جس ماحول میں میری زندگی گزر رہی ہے اس نے مجھے خودغرض اور مفاد پرست بنا دیا ہے، جھوٹ کیوں کہوں ہمارا سارا گھر ایسا ہی ہے ———"

"خیر، خیر، آگے ———"

"میں بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی، اور شاید یہ رنگ اب تک میرے اوپر چڑھا ہوا ہے، لیکن اکثر رات کو سوتے وقت آپ یاد آتی تھیں، آپ کی باتیں یاد آتی تھیں، آپ کا سلوک یاد آتا تھا۔ آپ کے احسانات جو صرف مجھ پر نہیں سارے گھر پر تھے یاد آتے تھے میرا دل مجھے ملامت کرتا تھا کہ اگر میری ماں نے، میرے بھائی نے احسان شناسی کا ثبوت نہیں دیا، تو وہ جانیں، میں نے کیوں محسن کشی کا ارتکاب کیا، ؟ میں کیوں ان لوگوں کی آلۂ کار بن گئی ؟

"آلۂ کار ———؟"

"جی باجی، بس سنتی رہیے ——— بھابی (خالدہ) کی زندگی تک سب ٹھیک تھا، ان کے انتقال کے وقت آپ آئیں، ہم میں سے کسی نے بھی آپ کے ساتھ آپ کے شایانِ شان برتاؤ نہیں کیا، بھابی کے انتقال کے بعد سب بدل گئے، سب کا مزاج بدل گیا، مسعود جو سادے

گھر کا چہیتا تھا، لاڈلا تھا، پیارا تھا، اتنا غیر ہو گیا کہ وہ بیمار پڑا، اور ہم میں سے کوئی اس کے قریب تک نہیں پھٹکا، میں خود بھی اس جرم کی مجرم ہوں، ارجمند نے مجھے کچھ ایسا ڈرا دیا تھا کہ ہمت ہی نہیں پڑی میری اس تک جانے کی، میں اتنی کٹھور ہو گئی تھی۔!"

"مجھے خود بہت تعجب تھا ——— کسی اور پر نہیں صرف تم پر!"

"باجی میں خود اعترافِ جرم کر رہی ہوں آپ تو بس سنتی جائیے، ——— ارجمند ایک جادوگرنی بن کر آئی، اس نے میرا مزاج بدل دیا، طبیعت بدل دی، فطرت بدل دی، میں اس کے اشاروں پر رقص کرنے لگی، میں اس کی آلۂ کار بن گئی، !"

"جانتی ہوں ———"

"سب سے بڑھ کر غضب یہ ہوا کہ بھیا اسے دل دے بیٹھے، ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گئے، میں ان دونوں کے درمیان واسطہ بن گئی !"

"خیر یہ تو تمھارا کوئی جرم نہیں ہے !"

"باجی یہ نہ کہیئے، یہ میرا سب سے بڑا جرم ہے ——— میں نے امی کو راضی کیا کہ وہ بھیا کی شادی ارجمند سے کر دیں اور نکھٹے کو ٹھیلتے کا بہانہ، وہ خود ہی ارجمند کی اطاعت، خدمت اور کارگزاری سے

اتنی متاثر تھیں کہ فوراً تیار ہوگئیں ۔

" فریب ——"

" باجی بالکل فریب ، —— لیکن اس فریب کی حقیقت مجھ پر صرف کل کھلی ، !"

" کل ——؟"

" جی ، لیکن بیچ سے کوئی ٹکڑا نہیں بیان کروں گی ، پوری کہانی سن لیجئے !"

" ہاں سن تو رہی ہوں ——"

" شادی کا مسئلہ جب طے ہوگیا تو ہم سب جانتے تھے ، امجدی کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ نہیں ہے ، کیا ننگی نہائے گی ، کیا نچوڑے گی ، آپ بھی ان کی حالت سے خوب واقف ہیں ——۔

" ہاں بہت اچھی طرح ——

" میں نے سوچا ، یہ غریب ہیں ، بیٹی کو جہیز نہیں دے سکتیں ' خودغرضی نے یہ ترکیب سجھائی کہ بھابی کا زیور اور کپڑے ، اور سامان آخر کس کام آئے گا ؟ امجدی اپنے ساتھ لے جائیں اور اپنے ہاں جہیز کے طور پہ اس کی نمائش کر دیں ——"

" سبحان اللہ ، حلوائی کی دکان دادا جی کا فاتحہ ——"

"جی اور کیا ——— اس موقع پر امّی نے کہا، بھائی یہ سامان آدھا نشاط کو ملے گا، آدھا ارجمند کو، آخر میری بچّی کا بھی تو حق ہے، جب تو نہیں، لیکن اب محسوس کرتی ہوں - یہ سُن کر امجدی بیگم کا رنگ رُخ بدل گیا، لیکن اختلاف بھی نہیں کر سکتی تھیں، فوراً اپنی حالت پر قابو پاکر بڑی خوش دلی کے ساتھ راضی ہوگئیں، !"

"جیسے ان کے باپ کا تھا یہ مال !"

"چنانچہ اس تجویز پر عمل ہوا، جو چیزیں میرے حصّے میں آئی تھیں وہ میں نے برتیں، جو ارجمند کے حصّے میں آئی تھیں، اس نے استعمال کیں ——"

"لیکن فریب کا اندازہ تمھیں کیسے ہوا ؟"

"یہ بڑا دلدوز واقعہ ہے لیکن آپ کو ضرور سناؤں گی !"

"ہاں میں شوق سے سُن رہی ہوں !"

"ہوا یہ کہ یہاں سے بارات پھول پور گئی ———"

"ٹھیک ہے ——— پھر ؟"

"وہاں ماں بیٹی کو تخلیہ میں باتیں کرنے کا پہلی بار یہاں آنے کے بعد سے موقع ملا، اور اتفاق کہیے، یا خوش قسمتی، یا بد قسمتی، یہ تخلیہ کی باتیں میں نے سُن لیں !"

"کیا سُنا تم نے ؟"

" امجدی بیگم نے اپنی صاحبزادی کو دو نصیحتیں کیں !"

" کیا کہا ———— ؟"

" ایک تو یہ کہ جتنا زیور بھابی مرحومہ کا انھیں ملا ہے ، اس سب کو سنار کے ہاں بھیج کر گلوا ڈالیں اور از سرِ نو بنوائیں ۔

" یہ کیوں ؟ ———— اس کی کیا ضرورت تھی !"

" اس کی ضرورت یہ تھی کہ امجدی بیگم نے کہا ، اور پہلی مرتبہ یہ حقیقت مجھے معلوم ہوئی کہ بھابی مرحومہ کا سارا مال اب مسعود اور آپ کا ہے اس پر بھیّا کا کوئی حق نہیں ہے ، کیا معلوم کب آپ دعویٰ کر بیٹھیں ، یا مسعود بڑا ہو کر اپنی ماں کی چیزیں طلب کرنے لگ جائے ، لہٰذا جب وہ چیزیں ہی نہ ہوں گی ، تو کوئی مانگے گا کیا ، اور پائے گا کیا ؟ !"

" اُفوہ کتنی حرفوں کی بنی ہوئی ہے یہ عورت !"

" سنتے جائیے ، ———— دوسری نصیحت ماں نے بیٹی کو یہ کی کہ بھابی کی جو چیزیں مجھے ملی ہیں ، وہ بھی ، بھیّا سے امّی پر زور ڈلوا کر ، یا اگر وہ نہ مانیں تو حکیم اختر کے ذریعہ جو ان کے عزیز ، اور آلۂ کار ہیں انھیں زہر دلوا کر ، اپنے قبضے میں لے لیں ، اور ان کا حشر بھی وہی کریں ————

" ارے ———— زہر دلوا کر ؟"

"جی ——"

"تو تم نے خالہ سے کہا نہیں ؟"

"موقع پا کر کہوں گی، لیکن وہ ماں بیٹی سے اتنی مسحور ہو چکی ہیں کہ شاید ہی میری بات کا یقین کریں ؟"

"بس، ماں نے بیٹی کو، اور کوئی ہدایت نامہ نہیں دیا ؟"

"ایک اور دیا !"

"وہ بھی سنا دو !"

"کہنے لگیں، نشاط جب تک اس گھر میں ہے، نہ تو راج کر سکے گی، نہ تجھے سکھ ملے گا، لہٰذا شادی کے بعد تیرا پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ جلد از جلد نشاط کی شادی کرا، اور اسے اس گھر سے نکال ——"

"خیر یہ تو اچھا ہے تمھاری شادی تو ہونی ہی چاہیئے، کون ماں باپ کے گھر میں ہمیشہ رہتا ہے !"

"لیکن باجی یہ بات بھی پھول پور جا کر معلوم ہوئی کہ جس سے میری قسمت پھوڑی جا رہی ہے وہ شرابی اور جواری ہے، پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے، اور اسے خوب مارا کرتا تھا، پھر میرا کیا حشر ہوگا ——"

یہ کہہ کر وہ پھر صفیہ کے زانو پر سر رکھ کر رونے لگی !

۳۵

صفیہ نے محبت بھرے انداز میں نشاط کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا، پھر اس کا منہ اٹھایا اور اپنے بالکل سامنے لا کر اسے پیار کیا، اور کہا -

" تم خالہ (اختری) سے کہو، یہ منگنی منقطع کر دیں !"

وہ روتی ہوئی بولی -

" یہ نہیں ہو سکتا !"

صفیہ نے کہا -

" کیوں نہیں ہو سکتا، نکاح ختم ہو جاتے ہیں، منگنی نہیں ٹوٹ سکتی ؟"

" آپ نہیں سمجھتیں باجی !"

" تو سمجھاؤ نہ مجھے ، میں تمھیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی !"

وہ کہنے لگی ۔

" وہ امجدی کا بھا نجا ہے ، امجدی کا امّی پہ ، اور ارجمند کا بھیّا پر اتنا زیادہ اثر ہے کہ یہ بات قطعاً نا ممکن ہے !"

صفیہ نے دلاسا دیتے ہوئے کہا ۔

" سنو تو نشاط ، جب تمھارے بھیّا اور امّی کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ شرابی ہے ، جواری ہے ، ہٹ چھٹ ہے ، تو مجبوراً انھیں یہ منگنی توڑ نا پڑے گی !"

" نہیں باجی ——— امّی کو اور بھیّا کو دونوں کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے !"

" واقعی ؟ ——— پھر ؟"

" امّی کہنے لگیں ، جوانی میں سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں ، اور بھیّا نے کہا ، اس کی پہلی بیوی تھی امی قابل کہ پٹے ، صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل ، میں کہتی ہوں جو اتنا اخلاق باختہ ہو ، وہ بھلا آپلے میں رہ سکتا ہے ، !"

" ہاں ٹھیک کہتی ہو !" ——— پھر آخر کیا ہو سکتا ہے ؟"

" کچھ نہیں باجی میری قسمت تو پھوٹ گئی، اس کا کوئی علاج نہیں!"

" واہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ ——— انسان خود اپنی قسمت بناتا ہے!"

" نہ جانے وہ کون انسان ہوتے ہیں!"

" تم بھی ایسی ہی ہو؟"

" نہیں باجی یہ خیال دل سے نکال دیجئے ——— بہرحال میں صدق دل سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتی ہوں، مجھے معاف کر دیجئے اور اپنی بہن سمجھئے!"

" معاف کر دیا ——— اور یقین کرو، میرے دل میں تمہاری وہی محبت ہے جو ایک بہن کی ہو سکتی ہے!"

(گلے سے لپٹ کر) میری باجی ——— مجھے آپ کی ذات سے یہی یقین تھا ——— لیکن ایک بات اور معاف کر دیجئے، بھیا کو بھی معاف کر دیجئے!"

" تمہیں چاہتی ہوں، تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہتی ہوں یہ نہیں ہو سکتا! ——— آپا کی چیزوں میں سے جو کچھ تمہیں ملا ہے، وہ میں نے معاف کیا اور دیا، لیکن جو کچھ ارجمند کو ملا ہے وہ کیسے بخش دوں؟"

نشاط کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی ۔

" بے شک وہ ارجمند کا حق نہیں ہے، اور سچ کہتی ہوں، اور آپ بھی جانتی ہیں، مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، وہ تو میری بربادی کے منصوبے بنا رہی ہے اس سے مجھے ہمدردی ہو بھی کس طرح سکتی ہے!"

" پھر کیوں سفارش کیے جا رہی ہو!"

" اس لیے کہ وہ عورت ہے!"

" کیا مطلب؟"

" اس نے بڑے شوق اور آرزو سے، بلکہ ندیدے پن سے یہ چیزیں پہنی ہیں، آپ اس کے ہاتھ سے اور گلے سے، اور پاؤں سے جب یہ چیزیں اتروا دیں گی، تو کیا آپ کا عورت پن اسے برداشت کر سکے گا؟ سچ کہیے گا باجی؟"

صفیہ مسکرانے لگی، اس نے کہا۔

" بڑی فلسفی ہو گئی ہو —— لیکن تمہاری دلیل اور اپیل نے مجھ پہ اثر کیا، اچھا تمہاری خاطر سے یہ کر سکتی ہوں کہ جو کچھ اس کے بدن پہ ہے، وہ نہیں لوں گی، وہ اس کا ہو گیا، باقی چیزیں ——"

" ہاں یہ ٹھیک ہے، یہ مجھے منظور ہے باقی چیزیں بے شک آپ کی ہیں، بلکہ جو مجھے ملا ہے، وہ بھی لے لیجیے!"

"وہ کیوں لے لوں ؟"

"ان چیزوں کو میں ایسے برت نہیں سکتی !"

"وجہ ——— ؟"

"جب ان میں سے کوئی چیز استعمال کروں گی تو اپنا کمینہ پن یاد آجائے گا ، اپنی سازشیں یاد آجائیں گی ، اپنی خودغرضیاں یاد آجائیں گی ، یہ چیزیں سانپ بچھو بن کر کاٹیں گی مجھے !"

(مسکراتے ہوئے) ایسی باتیں نہ کرو ، میں خوشی سے ایک چیز تمہیں دے رہی ہوں ، وہ تمہیں لینا پڑے گی ——— کیا تم میری بہن نہیں ہو ؟"

نشاط خاموش ہوگئی !

صفیہ نے اس کے بالوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا ۔

"تمھاری خاطر سے ایک کام اور بھی کرتی ہوں !"

نشاط منتظر نگاہوں سے صفیہ کی طرف تکنے لگی ۔

صفیہ نے کہا ۔

" محض تمھاری خاطر سے مہر کے مطالبے سے بھی دست بردار ہوجاؤں گی !"

نشاط کی آنکھوں میں پھر آنسو ڈھلک آئے ، اس نے تقریباً

روتے ہوئے کہا ۔

" کتنی اچھی ہیں آپ ——— اور کتنے ذلیل ہیں ہم لوگ !"

صفیہ نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا ۔

" ایسی باتیں نہ کرو ، مجھے تکلیف ہوتی ہے !"

وہ پھر خاموش ہو گئی ، صفیہ نے کچھ تامل کے بعد کہا ،

" کیا واقعی تم اپنے منگیتر سے خوش نہیں ہو ؟"

وہ روہانسی ہو کر بولی ۔

" میرا تو خودکشی کر لینے کو جی چاہتا ہے باجی ، خوش ہونے کا کیا سوال ؟"

" اچھا ایک بات بتاؤ ، دیکھو شرمانا نہیں !"

وہ آمادگی کے ساتھ بولی ۔

" فرمائیے ، آپ کے سامنے میں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے اپنی تمام ڈھکی چھپی کمزوریوں کا اعتراف کر لیا ہے ، ہرگز آپ سے کوئی بات چھپاؤں گی نہیں !"

" میرے ساتھ کبھی کبھی میرا ماموں زاد بھائی اطہر آیا کرتا تھا یاد ہے ؟"

" جی ہاں خوب یاد ہے !——— بڑے شریر تھے ، مجھے تو

بہت چھیڑا کرتے تھے اب بہت دنوں سے نہیں آئے !"

" وہ ولایت گیا ہے ، دو چار مہینے میں آجائے گا !"

" اچھا وہ ولایت گئے ہیں ؟ اسی لیے نہیں آئے ؟"

" ہاں" ———

" تو وہ اچھی طرح یاد ہے تمھیں ؟"

" بہت اچھی طرح !"

" تم اسے ناپسند تو نہیں کرتیں ——— ؟"

یہ سوال کچھ ایسا اچانک ہوا کہ نشاط کچھ جھینپ سی گئی ، کیونکہ اس سوال کا کچھ کچھ مطلب اس پہ واضح ہونے لگا تھا ———

عفیفہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ۔

" دیکھو شرمانے کی سند نہیں ، میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا !"

وہ کچھ لجاتی ہوئی بولی ۔

" باجی انھیں ناپسند کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟"

یہ کہتے کہتے اس کا دل دھڑکنے لگا ۔ واقعی اطہر اسے پسند تھا لیکن وہ اتنا بلند بام تھا کہ اس کا دامن تھام لینے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی ۔

عفیفہ نے پھر سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا ۔

"میں چاہتی ہوں تمھاری شادی اسی سے کر دوں، اس طرح ہم تم ایک ہی شہر میں رہیں گے اور ہر روز ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے۔

"آپ کے قریب رہنا تو میری زندگی کی سب سے بڑی مسرت ہے لیکن ———

"لیکن کیا؟ ——— وہ بھی کہہ ڈالو، دل میں نہ رکھو کچھ!"

"یہ ممکن کیسے ہے؟"

"ناممکن کیوں ہے؟"

"وہ اتنے بڑے آدمی ہیں، ولایت پڑھنے گئے ہیں، کیا وہاں سے اکیلے آجائیں گے؟"

"تو کیا تمھارا خیال ہے وہ اپنے ساتھ کوئی میم لائے گا؟"

"کیوں نہیں لائیں گے؟"

"نہیں وہ ایسا نہیں ہے، ابھی پندرہ بیس دن ہوئے اس کا خط میرے پاس آیا تھا، اس نے لکھا تھا، لندن کی مصنوعی زندگی سے میں عاجز آگیا ہوں، یہاں کی عورتوں میں عام طور پر جو بے حجابی اور بےحیائی پائی جاتی ہے۔ اس نے مجھے یہاں کی زندگی اور معاشرت سے متنفر کر دیا ہے، آپا میں بہت جلد آنے والا ہوں، میرے لیے ایک اچھی سی خوب صورت سی، اپنے سے ملتی جلتی لڑکی ڈھونڈ رکھیے، اور فوراً اس

سے میری شادی کر دیجیے ——— سوچتی ہوں، تم سے اچھی دلہن وہ چراغ لے کر ڈھونڈے گا تو نہیں ملے گی!"

"لیکن باجی بات صرف آپ تک یا امی تک تو نہیں ہے!"

"پھر ——— ؟ شاید تمہارا مطلب اس کے ماں باپ سے ہے؟"

"جی ———"

"نہیں یہ نہ سوچو، اطہر میری پسند سے اختلاف نہیں کر سکتا، اور اس کے لیے جو لڑکی میں پسند کر لوں، اس سے ماموں جان اور ممانی جان کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا، یہ خیال تو ابھی یکایک میرے دل میں آ گیا تھا، اب سوچتی ہوں تو یاد آتا ہے، ضرور اس کے دل میں تمہارا کچھ خیال ہے، اپنے کئی خطوں میں اس نے لکھا تھا، احمد نگر جائیے گا، تو نشاط خانم کو میری طرف سے منہ چڑا دیجیے گا!"

نشاط ہنسنے لگی۔

"یہاں جب آتے تھے، مجھے منہ ضرور چڑایا کرتے تھے!"

"اچھا تو پھر یہ بات پکی رہی کیوں؟"

"باجی آپ کنویں میں کودنے کو کہیں تو کود جاؤں گی، لیکن ہمارے دلیس کی لڑکی اپنی مالک و مختار تو نہیں ہوتی۔"

"اس معاملے کو تو میں چٹکی بجانے میں حل کر لوں گی، تم اپنی کہو!"

" میں تو وہی کہوں گی جو آپ کی رائے ہو؟"

اتنے میں نصیبن ناشتے کے برتن لینے آگئی۔ اس نے کہا۔

"بٹیا چائے تو رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی، اور ناشتہ بھی ویسا ہی رکھا ہے!"

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" اچھا تو جاؤ گرم کر لاؤ جلدی سے!"

نصیبن نے نشاط سے کہا۔

" بٹیا تمہارا انتظار تو دولہا میاں کے کمرے میں ہو رہا ہے، میاں بیوی ناشتہ کرنے کو بیٹھے ہیں!"

صفیہ نے کہا: " ان سے کہہ دو ناشتہ کریں، نشاط اور ہم ساتھ ساتھ ناشتہ کریں گے!"

۳۶

نشاط جب صفیہ کے کمرے میں آئی تھی اندیشہ ہائے دور و دراز سے اس کا دل دھڑک رہا تھا، لیکن یہاں پہنچنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ تو صفیہ کے گوشۂ قلب میں اپنی جگہ بنا چکی ہے، شاید اس لیے کہ واقعی اس کے ضمیر کی خلش نے راہ راست پر اسے گامزن کر دیا تھا۔

نصیبن نے جب جا کر، انور اور ارجمند کو یہ خبر پہنچائی کہ "بٹیا (نشاط) وہیں (صفیہ کے پاس) ناشتہ کریں گی!"

تو دونوں میں سے کسی نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی،

دونوں ناشتہ بھی رسمی طور پر کر رہے تھے، ورنہ خود نہ جانے کتنے بڑے طوفان کے منتظر تھے!

اختری خانم نے بھی نشاط کی غیر حاضری کو محسوس نہیں کیا، بلکہ انھیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نشاط صفیہ کے پاس ہے، وہ بھی آنے والے طوفان کی منتظر تھیں، اور ردِّ بلا کی تدبیریں دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

البتہ اس گھر میں ایک ہستی امجدی بیگم کی ایسی تھی جس کی نگاہِ دوُر بیں نے نشاط کو صفیہ کے کمرے میں ناشتہ لے کر جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اور جو بار بار اسے محسوس کر رہی تھی کہ معمول سے زیادہ دیر اسے برآمد ہونے میں ہو چکی ہے، اور گو امجدی بیگم خود بھی ایک طوفان کے استقبال بلکہ اس سے کلّہ بہ کلّہ مقابلہ کرنے کی ذہنی تیاریاں مکمل کر چکی تھیں، لیکن یہ چیز ان کے لیے خاصی تشویش کی موجب تھی کہ آخر اتنی دیر سے نشاط وہاں کیا کر رہی ہے؟

اگر ان دونوں میں باتیں ہو رہی ہیں، تو ان کی نوعیت کیا ہے؟ لیکن یہ ایسا سوال تھا جسے وہ کسی سے پوچھ نہیں سکتی تھیں خود ہی سوچتی تھیں، اور خود ہی ذہن میں کوئی جواب دے لیتی تھیں۔

جب بہت دیر ہو گئی، تو ان سے ضبط نہ ہو سکا، انھوں نے

وہیں بیٹھے بیٹھے آواز دی ۔

" ارے نصیبن ، او نصیبن ہیں کہتی ہوں کہاں مر گئی جا کر ؟"

یہ وہ وقت تھا کہ نصیبن ، نشاط اور صفیہ کے لیے دوبارہ ناشتہ لے کر گئی ہوئی تھی ، وہیں سے اس نے آواز سنی ، اور ناشتہ رکھ کر دوڑی دوڑی امجدی بیگم کے حضور میں حاضر ہوئی ، اسے دیکھ کر انھوں نے فرمایا ۔

" نشاط نہیں نظر آئی بڑی دیر سے ، کیا ارجمند کے پاس ہے ؟"

نصیبن کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی اس نے سچ سچ کہہ دیا ۔

" نہیں تو ، ——— وہ تو چھوٹی بٹیا (صفیہ) کے پاس ہیں !"

یہ سن کر اختری خانم کے بھی کان کھڑے ہوئے ۔

" وہ صفیہ کے پاس ہے !"

امجدی بیگم نے لقمہ دیا ۔

" ہاں بڑی دیر سے وہیں ہے !"

اختری نے سوال کیا ۔

" وہاں کیا کر رہی ہے ؟"

نصیبن نے کہا ۔

"بی بی میں کیا جانوں؟"

امجدی بیگم نے پھر سوال کیا۔

"ناشتہ تو خود نشاط وہاں لے کر گئی تھی، اب تم وہاں کیا لے کر تشریف لے گئی تھیں؟"

وہ بولی۔

"چھوٹی بٹیا ہماری بٹیا سے باتیں کرتی رہیں، ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا اب اسے گرم کر کے دوبارہ لے گئی تھی!"

"اچھا ——— اور نشاط اب وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے؟"

نصیبن نے قدرے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"بی بی کہہ تو دیا، دونوں میں باتیں ہو رہی ہیں، اب میں کیا جانوں کیا باتیں ہو رہی ہیں ———"

امجدی بیگم تو جیسے وکیل کی طرح جرح پر اُتر آئی تھیں۔

"نشاط نے ارجمند کے ساتھ ناشتہ کر لیا ہو گا؟"

نصیبن کو یہ راز بھی منکشف کرنا پڑا۔

"نہیں تو ——— وہ تو چھوٹی بٹیا کے ساتھ ناشتہ کر رہی ہیں، دُلہن نے انھیں بلوایا بھی تھا، لیکن انھوں نے کہلا دیا وہ ناشتہ کر لیں، ہم یہیں کریں گے ———"

امجدی بیگم کو اب باقاعدہ خلجان شروع ہو چکا تھا کہنے لگیں۔

"بڑی گاڑھی چھن رہی ہے آج تو دونوں میں!"

نصیبن چپ نہ رہ سکی۔

"وہ تو ہمیشہ ہی دونوں میں گاڑھی چھنا کی ہے ـــــ کوئی نئی بات ہے؟"

امجدی بیگم نے گھور کر نصیبن کو دیکھا۔

"کچھ ہوش میں ہے، یہ لو، موئی پاؤں کی جوتی سر چڑھ رہی ہے زبان چلاتی ہے ہم سے!"

نصیبن نے بھی فیصلہ کر دیا۔

"بی بی ہاتھ نیچے ہیں ذات نہیں بیچی، یہ اونچی نیچی باتیں کوئی اور سُنے گا نصیبن نہیں سُن سکتی، آج تک ہماری مالک (اختری) نے تو کبھی ٹیڑھی بات نہیں کی کسی اور کی ہم کیا سنیں گے!"

امجدی بیگم نے شکایت کی۔

"بہن سُن رہی ہو اس حرامزادی کی باتیں؟ ابھی بھیجا پلپلا کر دوں گی مارے جوتوں کے!"

امجدی کی یہ باتیں اختری کو بھی بُری لگیں، انھوں نے نصیبن سے ترکہا۔

"جا تو اپنا کام کر، بڈھے بوڑھیوں کی بات کا برا نہیں مانتے!"

پھر امجدی سے کہا۔

"یہ چلی گئی تو سارا کام نشاط و ارجمند ہی کو کرنا پڑے گا۔ مجھے تو گٹھیا نے کسی قابل نہیں رکھا ہے۔"

امجدی جواب میں کچھ کہنے والی تھیں کہ نصیبن پھر آئی۔ اس نے اختری سے کہا۔

"چھوٹی بٹیا نے آپ کو اور بجیا کو بلایا ہے!"

۳۷

اپنی طلبی کا پیام سنتے ہی اختری خانم اٹھ کھڑی ہوئیں، پوچھا۔

"کیا نشاط وہیں ہے؟"

"نہیں تو ——"

"تو نے انور سے بھی کہہ دیا!"

"جی —— وہ کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اچھا تو میں ہی چلی جاتی ہوں۔"

اختری خانم بادلِ نخواستہ صفیہ کے کمرے کی طرف بڑھیں، اپنے کمرے میں وہ وقار و تمکین کا پیکر بنی بیٹھی تھی، اختری خانم کو آتا دیکھ کر کھڑی

ہوگئی، اس اخلاق کی انھیں توقع نہ تھی، پھر اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"تشریف رکھیئے!"
سامنے ایک مونڈھا پڑا تھا اس پر اختری خانم بیٹھ گئیں، ان کے چہرے سے مجرمانہ اضطراب نمایاں تھا، یہ پوچھنے کی ہمت ذرا بھی نہیں تھی، کیوں بلایا ہے؟ کیا بات ہے؟ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر صفیہ نے گفتگو کا آغاز کیا، اس نے کہا۔
"میں خود چلی آتی، لیکن میں نے آپ کو یہاں اس لیے بلایا کہ جو گفتگو کرنا چاہتی ہوں مجھے پسند نہیں کہ امجدی اور ارجمند سنیں، گو آپ کا اب ان سے اور زیادہ قریبی رشتہ ہوگیا ہے، لیکن بہتر یہی تھا کہ گفتگو صرف ہمارے مابین ہو!"
"تو بیٹی اسی لیے تو میں سنتے ہی فوراً چلی آئی"
صفیہ نے سوال کیا۔
"لیکن آپ تو اکیلی آئی ہیں، میں چاہتی تھی اس گفتگو میں آپ کے صاحبزادے بھی شریک ہوتے!"
جس شخص کو صفیہ بڑے چاؤ سے ہمیشہ "بھائی صاحب" کہا کرتی تھی، آج اس کے لیے طنز سے یہ بھرپور لفظ "صاحبزادے" کا سن کر، اختری خانم کو ایک شاک سا لگا، لیکن وہ ضبط کر گئیں۔

درحقیقت وہ بھول پور جاکر اب خود بھی بہت کچھ سیکھ کر آئی تھیں، وہاں جاکر، اور صرف ایک دن رہ کر انھوں نے امجدی کی فطرت اور طینت کا جو اندازہ کر لیا تھا، وہ احمد نگر میں ان کے طویل دوران قیام میں نہ کر سکی تھیں، ارجمند کے بارے میں بھی ان کی رائے بدل چکی تھی، اس تفصیل سے تو نہیں جس تفصیل سے ماں بیٹی کی باتیں نشاط نے سُنی تھیں، لیکن کسی نہ کسی حد تک دونوں کا عندیہ انھیں معلوم ہو گیا تھا، سب سے بڑھ کر انھیں صدمہ یہ معلوم کر کے ہوا تھا کہ ان کا ہونے والا داماد شرابی اور زناکاری ہے، اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے، بلکہ وہ عدالت میں جاکر اس سے طلاق لے چکی ہے کیونکہ اسے وہ مارا پیٹا کرتا تھا، اور نہایت ظالمانہ برتاؤ اس کے ساتھ روا رکھا کرتا تھا، نشاط ان کی اکلوتی، اور سب سے زیادہ چہیتی بیٹی تھی، اسے کبھی انھوں نے پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا، یہ سوچ کر ان کا دل کانپ جاتا تھا کہ اگر اس کی پیٹھ پر بھی گھونسے اور ڈنڈے پڑے تو وہ کیا کریں گی؟

کیا اسے بچا سکیں گی؟

لیکن حالات ایسے تھے، اور کچھ پیچیدگیاں ایسی تھیں کہ اس منگنی کا قطع کرنا بھی ممکن نہ تھا۔

حسب دل خواہ داماد کا تلاش کرنا کچھ آسان بھی تو نہیں!
اب تو داماد خریدے جاتے ہیں۔
اور ان کی جیب اتنی وسیع نہیں تھی کہ داماد کا سودا کرسکیں،
یہی سوچ کر دفع الوقتی کے طور پر اس خیال سے کہ نشاط پر بُرا
اثر نہ پڑے انھوں نے کہدیا تھا،

"جوانی میں سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ ٹھیک
ہو جاتے ہیں"!

لیکن یہ صرف الفاظ تھے، دل کی آواز نہ تھی!

پھول پور کے مختصر سے دوران قیام میں انھوں نے محسوس کرلیا
تھا کہ لڑکی (نشاط) ان کے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے، لڑکا (انور)
نکل چکا، ارجمند کے دُلہن بن کر آنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد ان
کی اور نصیبن کی حیثیت عملاً یکساں ہو جائے گی، ان کا یہ سارا دم دمامہ
ہوا میں اُڑ جائے گا۔

پھول پور سے واپس آکر، اور صفیہ کو یہاں دیکھ کر ان کی، اور
نشاط کی حالت غیر ہو گئی تھی، انور بھی خاصا پریشان ہو گیا تھا، لیکن
امجدی کا دم خم کچھ اور زیادہ بڑھ گیا تھا، اور آج صبح انھوں نے نصیبن
سے جس لب و لہجے میں باتیں کی تھیں، وہ تو اس بات کا اعلان تھا کہ اب

اس گھر کا حقِ ملکیت ان کے نام منتقل ہوتا جا رہا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ بھُول پور سے واپس آنے کے بعد، جو ذہنی انتشار اور دماغی اضطراب صفیہ کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا، اور اپنے جرائم کی جو فہرست ان کے سامنے نمودار ہوئی تھی، اس سے گھبرا کر انھوں نے اسے سینے سے لگا کر رونا شروع کر دیا تھا، وہ اسے سینے سے لگا کر جب رو رہی تھیں تو انھیں اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

صفیہ کے سوال کے دوران میں یہ ساری باتیں بہت مختصر سے وقفے میں ان کے دماغ کے اندر آئیں، جواب میں انھوں نے صرف اتنا کہا۔

"نصیبن کہہ رہی تھی، وہ کہیں باہر گیا ہے!"

صفیہ بولی۔

"خیر جانے دیجیے، درحقیقت مجھے گفتگو بھی آپ ہی سے کرنی ہے کیونکہ اس خاندان کی بزرگ، اور مالک و مختار آپ ہی ہیں!"

نہ جانے ان الفاظ میں طنز تھا یا بیانِ واقعہ، لیکن ان سے انھوں نے اپنا بوڑھا دل مجروح ہوتا محسوس کیا، ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے، لیکن ضبط کر گئیں، مگر صفیہ نے اس کیفیت کو

تاڑلیا۔

وہ بولیں۔

"میں حاضر ہوں بیٹی کہہ لو جو چاہو!"

وہ کہنے لگی۔

"خدانخواستہ مجھے کوئی بدتمیزی نہیں کرنی ہے، نہ کسی بیہودگی کا مظاہرہ کرنا ہے ——

"میں جانتی ہوں بیٹی تم کیا ہو، اور کس خاندان کا پھول ہو ——

"لیکن مجھے کچھ اصولی اور ضروری باتیں کرنی ہیں!"

"کہو میں سن رہی ہوں!"

"آپ جانتی ہیں آپا کے انتقال کے بعد ان کی ساری چیزیں میری اور مسعود کی ہو چکی ہیں، ان پر نہ آپ کا کوئی حق ہے، نہ آپ کے صاحبزادے کا نہ آپ کی بہو کا۔"

وہ طوفان جس کی وہ متوقع تھیں آخر آ ہی گیا، انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی جانتی ہوں!"

صفیہ نے سوال کیا۔

"اور آپ یہ بھی جانتی ہوں گی کہ ہمیں اپنی بہن کا مہر طلب

کرنے کا حق ہے ؟"

" یہ بھی معلوم ہے بیٹی !"

" اور شاید یہ بھی آپ کو یاد ہو کہ مہر ایک لاکھ کا تھا !"

" کیسے نہ یاد ہوگا بیٹی !"

" تو پھر میری گزارش یہ ہے کہ مہر کی ادائی کا جلد سے جلد انتظام کیجیے، ورنہ مجھے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا، اور آپا کی ساری چیزیں، ان کے زیورات، ملبوسات، برتن، کراکری، فرنیچر، اور دوسرا سامان جس کی مکمل فہرست آپ کے پاس بھی ہے اور میرے پاس بھی، جلد سے جلد نکلوا دیں، میں اپنے ساتھ یہ چیزیں لے جانا چاہتی ہوں !"

قبل اس کے کہ اختری خانم اس مطالبے کا کوئی جواب دیں، صغیرہ نے بڑے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

" مجھے آپ سے ایک شکایت بھی ہے !"

بولنے کا انھیں موقع مل گیا۔

" کیا شکایت ہے بیٹی !"

" میری بہن کی چیزیں آپ کے پاس امانت تھیں، اس امانت میں آپ کو خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ میں بے حد آپ کا احترام کرتی رہی

ہوں، کم از کم مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی!"
بڑے نچے تُلے ہوئے لہجے میں اختری خانم بولیں۔
"بیٹی میں نے کوئی خیانت نہیں کی، سب چیزیں گھر میں جوں کی
توں موجود ہیں!"
وہ گویا ہوئی۔
"جی ہاں موجود ہیں، لیکن "جوں کی توں" نہیں ہیں، اس کا بڑا
حصہ ارجمند بانو کی زیب تن کئے ہوئے ہیں ———— کیا یہ سب کچھ آپ
کے علم میں نہیں ہے؟ کیا یہ سب کچھ آپ کی اجازت اور مرضی سے
نہیں ہوا؟ ———— کیا یہ ہونا چاہیئے تھا؟"
ان سوالات میں سے کسی سوال کا جواب دینا بھی اختری خانم
کے بس میں نہیں تھا، وہ مجرم کی طرح نکو بنی بیٹھی تھیں، صفیہ نے کہا۔
"آپ نے نشاط کو جو کچھ دیا، یا دینا چاہا ہے، اس پر مجھے اعتراض
نہیں، اسے آپا بھی بہت چاہتی تھیں اور میں بھی اسے اپنی بہن سمجھتی ہوں،
میری طرف سے وہ نذر ہے، وہ نشاط کا ہو چکا، اس میں سے ایک
چیز بھی مجھے نہیں چاہیئے، لیکن یہ میں گوارا نہیں کر سکتی کہ مالِ مفت
سمجھ کر، دوسروں کو بھی وہ بانٹ دیا جائے!"
اس جائز خفگی، برہمی، اشتعال اور غصے کے باوجود اس عورت کے

دل میں نشاط کا اتنا خیال ہے، اس کے لیے یہ اتنا ایثار کر سکتی ہے اس کے لیے اس کا دل اتنا وسیع ہے، اس کے لیے یہ حاتم کی سخاوت کا مظاہرہ کر سکتی ہے، یہ تو اختری خانم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں! انھوں نے شکریہ ادا کرنا چاہا لیکن نہ کر سکیں، انھوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکیں، انھوں نے رونا چاہا، لیکن نہ رو سکیں، انھوں نے اسے کلیجہ سے لگا لینا چاہا لیکن نہ لگا سکیں، کچھ بھی نہ کر سکیں ——— صرف ممنون اور شرمندہ نظروں سے ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھنے لگیں۔

صفیہ ان کی کیفیت محسوس کر رہی تھی، اس کا دل ان کے حالِ زار پہ کڑھ رہا تھا، اس نے کہا۔

"ایک بات اور بھی کہہ دینا چاہتی ہوں!"

پھر اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اقرار کیجیے کہ آپ نے آپا کی چیزیں ارجمند کو دے کر بڑی بھاری غلطی کی!"

اگر صرف اس اقرار سے جان چھٹ سکتی تھی، تو انھیں کیا تأمل ہو سکتا تھا؟ انھوں نے کہا۔

"ہاں بیٹی اقرار کرتی ہوں!"

صفیہ نے کہا۔

" بہرحال آپ میری بزرگ ہیں جہاں تک ہو سکے گا آپ کی غلطی کو نبا ہوں گی !"

اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے وہ سوچنے لگیں، صفیہ نے کہا۔ جو کچھ آپا کے زیورات و ملبوسات ہیں سے اس وقت ارجمند کے بدن پر ہے، چلیئے، میں اس کے مطالبے سے بھی دستبردار ہوتی ہوں، وہ دے دیجئے اسے، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسے نہیں مل سکتا ہرگز !"

کتنی بڑی مشکل کتنی آسانی سے حل ہو رہی تھی، وہ بڑی آمادگی اور مستعدی سے بولیں۔

" بیٹی میں ابھی لائی، ساری باقی چیزیں !"

صفیہ نے انھیں جانے سے روکتے ہوئے کہا۔

" کیا کیجئے گا لاکر، خدا کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے، مسعود کی شادی میں خود دوں گی، اور اللہ نے چاہا تو اس کی دلہن کو سونے سے پیلا کر دوں گی اور ہیرے جواہرات سے لاد دوں گی، اگر میری زرینہ، میری پانچ سال کی گڑیا (آبدیدہ ہو کر) ہوتی، تو میں مسعود کی شادی اسی سے کرتی، لیکن زرینہ کو خدا نے چھین لیا، توبہ توبہ چھینا نہیں، لے لیا، اس کی مرضی۔ ہم بندے اس کی مرضی کے سامنے صرف

سر ہی جھکا سکتے ہیں، لیکن مسعود خدا رکھے بڑا ہولے۔ میں اس کے لیے جنّت کی حُور ڈھونڈ نکالوں گی، اور جو کچھ میرے پاس ہے سب اسے دے دوں گی" ——

" اللہ تمھیں اور مسعود کو سلامت رکھے۔ تمھیں اس کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے" ——

" آمین —— "

پھر اس نے اختری سے کہا ۔

" لہٰذا وہ باقی زیور، اور دوسری چیزیں بھی میں اپنی بہن نشاط کو دیتی ہوں" ——

" کیا کہا بیٹی ؟"

" جی ہاں، نشاط کو —— لیکن ایک بات کہے دیتی ہوں، اب اگر اس امانت میں خیانت ہوئی، تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا !"

اختری خانم کو نہ صرف پھانسی سے رہائی ملی، نہ صرف وہ آزاد ہوئیں، بلکہ نہال کر دی گئیں، ان کی خوشی کی اس وقت کوئی حد نہ تھی، انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ کہا ۔

" بیٹی تو نے میری بوڑھی رگوں میں نئی زندگی، اور نیا جوش پیدا کر دیا ہے، اطمینان رکھ، تیری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں ہوگی،

ارجمند کو اب ایک چھلا نہیں مل سکتا، سب کچھ نشاط ہی کا ہے۔ اگر کسی نے اس فیصلے میں دخل دیا، چاہے وہ میرا بیٹا ہو یا بہو اس کی نئی پکڑ کر ٹیٹوا دبا دوں گی —— اب تک میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتی تھی، اب میں اکیلی نہیں ہوں، اب میں نے جان لیا دُنیا میں کوئی میرا بھی سہارا ہے، یہ سہارا میرے لیے بہت کچھ ہے اس سہارے کے بل پر میں بہت کچھ کر سکتی ہوں، سب کچھ کر گزروں گی!"

صفیہ مطمئن ہو گئی، اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے —— میں بھی یہی چاہتی تھی، اگر کبھی، کسی وقت آپ کو میری مدد کی ضرورت ہوئی آپ مجھے آواز دیجیے، میں فوراً موجود ہوں گی، اور آپ کی جو خدمت بھی بن پڑے گی وہ کرونگی —— نشاط کی شادی کے بعد تو آپ واقعی اکیلی رہ جائیں گی، لیکن میں آپ کو بُلایا کروں گی، اور چھ چھ مہینے سال سال بھر رکھا کروں گی —— آئیں گی آپ؟ رہیں گی آپ؟"

وہ وجد کے عالم میں گویا ہوئیں۔

"میری بلانے والی سلامت رہے، کیوں نہ آؤنگی، سر کے بل آؤں گی!"

صفیہ نے پوچھا۔

" نشاط کی شادی کب ہو رہی ہے ؟"

وہ ایک آہ سرد کے ساتھ بولیں ۔

" ہو جائے گی دو چار مہینے میں خدا نے چاہا !"

" دولہا تو بہت اچھا ہوگا ، !"

" ہاں بیٹی ، میں نے تو یہی سمجھ کر منگنی کی تھی ، ! لیکن دیکھیں قسمت کیا دکھائے !"

" یہ کیوں ؟ —— آپ دلگیر معلوم ہوتی ہیں !"

" کیا کہوں بیٹی ، پاؤں کا گھاؤ ، میاں جانے یا پاؤں !"

" آخر بات کیا ہے ؟"

" اے بیٹی ، نشاط کا منگیتر امجدی کا بھانجا ہے ، انور کی بارات پھول پورے کر گئی ، تو عجب باتیں معلوم ہوئیں !"

" کیا منگیتر کے متعلق ؟"

" ہاں اسی کے بارے میں !"

" کیا معلوم ہوا ؟"

" یہ کہ شرابی ہے ، جواری ہے ، پہلی بیوی طلاق لے چکی ہے ، اسے مارا پیٹا کرتا تھا ۔ !"

" تو ایسے آدمی سے آپ نے منگنی کیوں کی ؟"

"اے بیٹی یہی امجدی ولالہ بن کر آئی تھی - خدا اسے غارت کرے ، اس نے وہ جھوٹ کے پہاڑ کھڑے کئے ، اور وہ سبز باغ دکھائے کہ میں دھوکے میں آگئی ! ـــــ پھول پور نہ جاتی تو دھوکے ہی میں رہتی ، لیکن اب کیا کر سکتی ہوں ، لڑکی کی قسمت پھوٹنا تھی پھوٹ گئی ، میں نے کبھی پھول کی چھڑی سے اپنی بچّی کو نہیں مارا ، لیکن اس قصائی کے گھر جا کر اگر وہ دھوا دھوں پٹی تو میں کیا کر لوں گی ؟"

"جب تو شاید آپ نہ کر سکیں ، لیکن ابھی تو سب کچھ آپ کے اختیار میں ہے !"

"میرے اختیار میں اب کیا رہ گیا ہے بیٹی ؟ ـــ کیا منگنی توڑ دوں ؟"

"ہاں بے شک توڑ دیجئے اس منگنی کو ؟"

"لیکن دنیا کیا کہے گی ؟ یہ بھی تو سوچو !"

"دُنیا کہہ کر کیا کرے گی آپ کا ؟ کیا دُنیا نشاط کو اس قصائی سے بچالے گی ؟ کیا وہ نشاط کی قسمت سنوار دے گی !"

"نہیں یہ تو کچھ بھی نہیں ہوگا !"

"بس تو لعنت بھیجئے ایسی منگنی پر !"

"چلو بھجدی لعنت ایسی منگنی پر، لیکن پھر اس کی منگنی کہاں کرو نگی ؟"

"یہ کیوں ؟ —— کیا شریف آدمیوں کی کمی ہے کچھ ؟"

"نہیں ہے —— لیکن ہم جیسے لوگوں کو شریف آدمی کہاں جڑتے ہیں ؟"

"یہ کیوں ؟ ——"

"بیٹی اس زمانے میں داماد خریدے جاتے ہیں، میں کہاں سے دھن لاؤں جو داماد کا سودا کر لوں ؟ انہی امجدی کو دیکھ لو، بیٹی بیٹھے بیٹھے جوانی کی سرحد سے نکلی جا رہی تھی، مگر کوئی داماد نہیں جڑا، وہ تو قسمت سے انور مل گیا اسے !"

۳۸

یہ کہتے کہتے اختری خانم کے ہونٹ لرزنے لگے، اور پھر وہ ضبطِ گریہ پر قادر نہ ہو سکیں، رونے لگیں۔

صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ اٹھی، اس نے اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھے، اور پھر روتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مت روئیے، آپ کو روتا دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے ——"

وہ اسی طرح روتی اور سسکتی ہوئی بولیں۔

"بیٹی رونا تو اب زندگی بھر کا ہے —— تم کب تک میرے آنسو پونچھو گی!"

صفیہ نے پھر ضد کرتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں یہ منگنی توڑ دیجئے!"

وہ بے بسی کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"توڑ تو ابھی دوں، حالانکہ جانتی ہوں ایسا کرنے سے گھر میں قیامت آجائے گی، امجدی الگ اچھلیں کودیں گی، ارجمند الگ آسمان سر پہ اٹھائے گی، میاں انور الگ اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ جائیں گے لیکن کسی کی پروا نہ کروں توڑ دوں، مگر کس برتے پر؟"

"آپ آخر کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"منگنی کا توڑ دینا تو آسان ہے، لیکن جوان لڑکی کو زندگی بھر گھر میں بٹھائے رکھنا تو آسان نہیں ہے!"

"زندگی بھر گھر میں اس کے بیٹھیں دشمن!" —— اتنی خوبصورت اور خوب سیرت تو ہے وہ!"

"لیکن اس کی جھولی تو خالی ہے!"

"ہوا کرے!"

"یہ صرف باتیں ہیں بیٹی، دنیا یہ نہیں دیکھتی!"

"اچھا چھوڑیئے، اس مسئلے کو میرے اوپر چھوڑ دیجئے!"

اختری خانم نے سراپا استعجاب بن کر صفیہ کو دیکھا اور کہا۔

"بیٹی کیا کہہ رہی ہو؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

صفیہ نے جواب دیا۔

"نشاط کے لیے ہمہ صفت موصوف دُولہا تلاش کرنا میرا ذمہ رہا!"

اختری خانم پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"کیا بیٹی ——— ؟"

"جی ہاں ——— ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے میرے دل میں ——— کہہ دوں؟"

"پوچھنے کی ضرورت ہے؟ ضرور کہو!"

"آپ میرے ماموں زاد بھائی اطہر کو تو اچھی طرح جانتی ہوں گی، آپا کے زمانے میں کئی بار آیا ہے یہاں، کئی دفعہ میرے ساتھ بھی آیا ہے ———"

اطہر کا نام سنتے ہی کئی ناکام آرزوئیں اختری خانم کے دل میں مچلنے لگیں۔ اس جوانِ رعنا کو، اس کی شوخی اور شرارت کو، اس کی شرافت اور ادب کو، اس کی تہذیب اور شائستگی کو اختری خانم نے خوب خوب دیکھا اور پرکھا تھا، اور للچائی ہوئی نظر ڈال کر رہ گئی تھیں اس پر۔ وہ جانتی تھیں، یہ ناقابلِ حصول ہے!

ان کے دل میں کئی بار یہ آرزو مچلی تھی کاش یہ نشاط کا دولہا بن

سکتا، لیکن یہ آرزو دل سے زبان پر نہ آسکی تھی۔

کس برتے پر، کس سہارے پر آتی!

اس وقت اطہر کا نام سن کر پھر وہی جذبات قلبِ ناکام میں اُمنڈنے لگے۔

صفیہ نے انھیں خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"بتائیے ——— یاد ہے آپ کو اطہر؟"

"ہاں بیٹی یاد ہے!"

"کیسا ہے وہ؟"

"بہو لو، کیسا ہے؟ ——— بہت اچھا ہے!"

"اگر اس سے نشاط کی شادی ہو جائے؟"

"بیٹی کیوں مجھے میری نظروں میں شرمندہ کرتی ہو؟"

"خدا کی قسم میں سچے دل سے کہہ رہی ہوں!"

مانا تم سچے دل سے کہہ رہی ہو، لیکن اس کے ماں باپ اور شاید وہ خود بھی، ایک متوسط الحال خاندان کی لڑکی سے شادی کرنا کیوں پسند کرنے لگے؟ ——— کیا ان کے دل نہیں ہے؟ وہ کیا اس دنیا میں نہیں رہتے ہیں؟ کیا وہ یہ نہیں چاہیں گے کہ ایسی جگہ شادی کریں جہاں سے چھکڑوں جہیز ملے، موٹر ملے، کوٹھی ملے؟ ——— یہی یہ چیزیں

کہاں سے لاؤں گی !"

"ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں پیش آئے گی !"

"بیٹی، ایک بات سوچ لو !"

"جی فرمائیے !"

"اس دنیا میں صفیہ بانو ایک ہی آدھ ہیں، ہر شخص کا دل اتنا بڑا نہیں ہو سکتا، جتنا صفیہ کا ہے، نہ ہر شخص اتنا شریف اور باحوصلہ ہو سکتا ہے، جتنی صفیہ ہے، نہ ہر شخص، صفیہ کی طرح انسان دوست ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ لوگ اسی طرح سوچیں جس طرح صفیہ سوچتی ہے !"

صفیہ غور اور توجہ سے اختری خانم کی باتیں سنتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ممکن ہے دُنیا میں ایسے لوگ کم ہوں، جیسا آپ صفیہ کو سمجھتی ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں اطہر ایسا ہی ہے، اور اس کے ماں باپ بھی ایسے ہی ہیں !"

"بیٹی تمھیں میرے قول کی صداقت کا اعتبار آجائے گا، ذرا ان لوگوں سے بات چھیڑ کر دیکھو !"

"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے !"

"یہ کیوں ———؟"

"اس لیے کہ اطہر مجھے اتنا مانتا ہے کہ بے چون وچرا گردن جھکا دے گا، ویسے وہ نشاط کو پسند بھی کرتا ہے!"

کچھ خوشی، کچھ حیرت، کچھ اضطراب کے ساتھ اختری خانم نے پوچھا۔

"وہ نشاط کو پسند بھی کرتا ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا۔

"جی ہاں ——— یہاں جب آیا کرتا تھا، اکثر اسے چھیڑا کرتا تھا مجھ سے جب ملاقات ہوتی تھی "موم کی گڑیا" کا ذکر ضرور کرتا تھا، اس نے نشاط کا نام "موم کی گڑیا" رکھ چھوڑا ہے، اب وہ باہر ہے، تو بھی خطوں میں، اگر ہر خط میں نہیں تو دوسرے تیسرے خط میں ضرور اس کی خیریت دریافت کرتا ہے، ——— کیا یہ میرے دعوے کا ثبوت نہیں ہے!"

صفیہ کی یہ باتیں سن کر اختری خانم پہ سرور وانبساط کا نشہ سا چھا گیا، لیکن ماں کا دل تھا، ڈرتے ڈرتے کہا۔

"بیٹی مان لیا، وہ اعتراض نہیں کرے گا، لیکن ———"

صفیہ الجھ کر کہنے لگی۔

"اب لیکن کیا؟"

"اس کے ماں باپ!——— وہ تو نشاط کو جانتے بھی نہیں!"

صفیہ نے جواب دیا۔

"کیا میرا جاننا کافی نہیں ہے؟"

"ہاں ہے تو——— لیکن کیا ایسے اہم معاملے میں بھی؟"

صفیہ نے انھیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"کس طرح آپ کو یقین دلاؤں، اس کے ماں باپ نے جو میرے ماموں اور ممانی ہیں اور مجھے بے حد چاہتے ہیں، اس کی شادی کا مجھے پورا اختیار دے رکھا ہے، اسی لیے اب تک کہیں انھوں نے بات نہیں چھیڑی اور رہا اطہر، سو وہ تو صاف الفاظ میں علی الاعلان ہزار مرتبہ کہہ چکا ہے"———

"میں تو شادی اسی لڑکی سے کروں گا جسے آپا پسند کریں گی!"

اختری خانم چپ ہو گئیں، ان کا دل اس وقت کشمکشِ جذبات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اطہر سے نشاط کی شادی اتنی بڑی خوش قسمتی ظاہراً وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں!

وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ صفیہ نے کہا۔

"اور یہ بھی تو سوچئے، نشاط یہاں سے کچھ ننگی بچی تو نہیں جائیگی۔

اختری خانم سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں، اس نے کہا -

" نشاط کے پاس کیا زیورات کی، ملبوسات کی، فرنیچر کی، برتنوں کی، کراکری کی، دوسرے ساز و سامان کی کمی ہے کچھ؟ ——— کیا کسی اچھے اور مالدار گھرانے کی لڑکی اس سے زیادہ لاسکتی ہے جتنا نشاط اپنے ساتھ لے کر جائے گی؟"

اس پہلو پر تو اختری خانم نے اب تک غور ہی نہیں کیا تھا، اس پہلو کو سوچ کر ان کی باچھیں کھل گئیں، انھوں نے خوشی کا جھولا جھولتے ہوئے کہا -

" ٹھیک تو ہے!"

صفیہ نے کہا " پھر میں بات چھیڑتی ہوں - اور بہت جلد باقاعدہ آپ کے پاس پیام روانہ کرتی ہوں، ایسا نہ ہو مجھے شرمندہ ہونا پڑے؟"

اختری خانم اب ایک فیصلے پر پہنچ گئی تھیں، اور اس پر چٹان کی طرح جم گئی تھیں، انھوں نے کہا -

" ہاں بیٹی ——— میں نے نشاط کو تمھیں دیا، تم جو چاہو کرو، یہاں جو کچھ پیش آئے گا، میں اسے بھگت لوں گی؛ ——— البتہ ایک

بات سوچتی ہوں !"

" وہ کیا ؟ ـــــــ اسے بھی کہہ ڈالیے ؟"

" انور اور ارجمند تو فی الحال لیلیٰ مجنوں بنے ہوئے ہیں، وہ ضرور شوہر کو بھڑکائے گی،

بہت مطمئن لہجہ میں صفیہ نے کہا۔

" اس کا علاج ہے میرے پاس !"

اختری خانم نے پوچھا۔

" کیسا علاج بیٹی ؟"

وہ بولی۔

" اگر انھوں نے اس رشتے میں کھنڈت نہ ڈالی تو وعدہ کرتی ہوں کہ پھر ان سے مہر کا مطالبہ نہیں ہوگا، اور نہ انھیں ایک لاکھ روپے کا بندوبست کرنا پڑے گا "

وفورِ مسرت سے بے قابو ہو کر اختری خانم نے صفیہ کو گلے سے لگا لیا، اور بھینچ بھینچ کر اسے پیار کرنے لگیں۔

اور ٹھیک اسی وقت امجدی بیگم بن بلائے مہمان کی طرح وارد ہو گئیں!

۳۹

بے چاری بنوں دیر سے اختری خانم کی راہ دیکھ رہی تھیں، وہ آئیں تو معلوم ہو صفیہ سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟ اور ان باتوں کی روشنی میں وہ جنگِ عظیم کا نقشہ تیار کریں، اس لیے کہ گربہ کشتن روزِ اول' اگر آج صفیہ کا مزاج ٹھیک نہ کیا گیا تو پھر وہ در رہے گی، اور اس پر غلبہ پانا مشکل ہوگا!

لیکن وہ ایسی گئیں کہ پلٹ کر خبر بھی نہ لی، اب تو انھیں اوہام نے آگھیرا، سوچنے لگیں ــــ!

" آخر وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

" لڑائی ہو رہی ہوتی تو آواز یہاں تک ضرور آتی !"

" اور لڑائی نہ ہو یہ ممکن نہیں ! وہ نہیں لڑے گی تو ہم لڑینگے !"

" آخر اختری خانم کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے ؟ وہ وہاں مر کیوں گئیں جا کر ——— ؟

یہی سوچتے سوچتے بڑی دیر ہو گئی، مگر اختری خانم کو نہ واپس آنا تھا نہ آئیں، آخر جب پیمانۂ صبر چھلک گیا تو انھوں نے دوپٹہ جھٹک سے اوڑھا، اور چلیں تیر کی طرح سیدھی صفیہ کی قیام گاہ کی طرف۔ وہاں پہنچکر دونوں کو جس حال میں دیکھا، اسے دیکھ کر چکرا گئیں ——— یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ؟" کچھ طنز، کچھ حقارت کے ساتھ فرمایا۔

" اوہو تو یوں گلے ملا جا رہا ہے ؟ ——— کیا تم اس لیے آئی تھیں یہاں ؟

اختری خانم کو یہ مداخلت ناگوار گزری، کہنے لگیں،

" تم کیسے آگئیں ؟"

وہ طنز کا تیر چلاتی ہوئی بولیں۔

" بڑی غلطی ہوئی معاف کرنا میری بہن !"

اب اختری خانم بدل چکی تھیں، کہنے لگیں،

" معافی اور معذرت کا کیا سوال ہے ؟ کسی کے کمرے میں یوں بے اجازت اندر گھس آنا کون سی شرافت ہے ؟ ــــ صفیہ نے مجھے بلایا تھا تمھیں تو نہیں بلایا تھا ؟"

یہ ایسا اعتراض تھا کہ فوری طور پر اس کا جواب نہیں سوجھ سکا، لیکن خاموش رہنا بھی ممکن نہ تھا، بہت جھلاّئے ہوئے لہجہ میں کہنے لگیں ۔

" اے ہے تو میرے آنے سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ! ــــ میں تو مدد کو آئی تھی کہ کہیں تمھاری پٹائی نہ شروع ہو گئی ہو !"

صفیہ بھی بول پڑی ۔

" چھوٹے آپ ہی کے ہاں بڑوں کی پٹائی کرتے ہوں گے ؟"

امجدی بیگم کو جنگ شروع کرنے کا موقع مل گیا ۔

" تو کیا لڑنا چاہتی ہو ؟ بی بی سن لو اچھی طرح میں شریف کے ساتھ شریف، اور کمینے کے ساتھ کمینی ہوں "ــــ

صفیہ نے انھیں جلاتے ہوئے کہا ۔

" آپ جو کچھ ہیں میں جانتی ہوں، لیکن اس قدر اچھر کیوں رہی ہیں آپ ؟"

" تو نے مجھے سمجھا کیا ہے ؟"

"آپ ماشاء اللہ اس گھر کی مالک ہیں، نشاط آپ کی کنیز، جیسا آپ کے غلام، خالہ جان آپ کی و ببل، کس میں ہمت ہے کہ آپ سے رد ورد و بات کہہ سکے؟ کس میں مجال ہے کہ آپ کے منہ آ سکے؟ اس گھر میں جسے رہنا ہوگا اسے آپ سے دبنا ہی پڑے گا، چاہے وہ مستقل طور پر یہاں رہتا ہو یا میری طرح مہمان کے طور پر آیا ہو! چنانچہ میں بھی آپ کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں رکھتی! دست بستہ معافی مانگتی ہوں آپ سے، اور التجا کرتی ہوں کہ تشریف لے جائیے تو ہم اپنے آپس کے کچھ معاملات طے کر لیں!"

امجدی بیگم حیرت سے صفیہ کی طرف دیکھنے لگیں، اس نے کہا۔

"آپ سے نہ میرا کوئی جھگڑا ہے، نہ ہو سکتا ہے نہ کوئی وجہ ہے کہ ہو ——— البتہ خالہ جان سے اپنی مرحومہ بہن کے سلسلے میں کچھ معاملات طے کرنے ہیں اور جلدی یوں ہے کہ آج ہی رات کو گاڑی سے مجھے خان پور واپس جانا ہے! اور اگر آپ کو یہاں تشریف رکھنے پر اصرار ہے، تو شوق سے جہاں چاہیے بیٹھئے ہم دونوں کسی دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں!"

صفیہ سے اس اندازِ گفتگو کی امجدی بیگم ہرگز توقع نہیں رکھتی

تھیں، جو نقشۂ جنگ بنا کر آئی تھیں وہ بیکار ہوا جا رہا تھا، لیکن تھیں ذہین، کچھ سوچتی ہوئی بولیں -

"گڑے مُردے اکھاڑنے سے فائدہ کیا؟ اب خالدہ کے کون سے قضیے نمٹانے آئی ہو خیر سے؟ وہ کون سی جائداد چھوڑ گئی ہے!"

"جائداد تو کچھ بھی نہیں چھوڑ گئی ہیں، کچھ سامان ہے، زیورات ہیں، اور مہر کی رقم ہے، ان سب باتوں کا شریفانہ طور پر تصفیہ کرنا ہے!"

وہ تقریباً منہ چڑاتی ہوئی گویا ہوئیں -

"سب جھوٹ ——— کچھ بھی نہیں ہے!"

صفیہ نے ذرا بھی غصّہ نہیں کیا، بڑے ٹھنڈے اور دھیمے انداز میں کہنے لگی -

"جی ہاں آپ کے پاس تو واقعی کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے خالہ جان کے پاس ہے، اسی لیے میں نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا، جو کہنا ہے انہی سے کہہ رہی ہوں!"

ہر طرح سے زچ اور لاجواب ہو کر ارشاد فرمایا -

"نہ جانے کیسے لوگ ہیں آپ کے گھر کے، یہاں کی کوئی کل سیدھی ہے ہی نہیں!"

پھر خاموشی سے باہر نکل گئیں!

۴۰

امجدی کے جانے کے بعد، صفیہ نے مسکراتے ہوئے اختری خانم سے کہا۔

"بہت خفا ہو کر گئی ہیں۔"

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"ہاں، —— جیسے سولی چڑھا دیں گی ہم سب کو!"

صفیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہ کچھ فتنہ اٹھائیں گی ضرور!"

بے پروائی کے ساتھ اختری خانم نے کہا۔

" تو مزا ابھی چکھ لیں گی ، ـــــــــ بے شک پھول پور میں، اور وہاں سے آنے کے بعد میں اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگی تھی، لیکن اب میں پھر وہی ہوں جو پہلے تھی ، ان سب کو میرے پاؤں تلے رہنا پڑے گا ، ورنہ کوئی اور گھر دیکھیں !"

صفیہ نے مطمئن ہو کر کہا -

" وہ تو مجھے یقین ہے آپ اچھی طرح ان سے نمٹ لیں گی ، ـــــــــ لیکن جب تک نشاط کی شادی اطہر سے نہ ہو جائے کوئی ایسی ترکیب کیجئے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ، ورنہ اگر انھوں نے بھائی صاحب کو بھڑکا دیا تو معاملہ بگڑ جائے گا !"

نہایت خود اعتمادی کے ساتھ اختری خانم نے جواب دیا -

" وہ کیا کر لے گا ؟ ـــــــــ نشاط میری لڑکی ہے جہاں چاہوں بیاہوں ، اور وہ ایسی بچّی ہے کہ اگر چمار کے ہاتھ میں بھی اس کا ہاتھ دے دوں تو وہ اُف نہیں کرے گی ، اسے کوئی توڑ سکتا ہے مجھ سے ؟"

صفیہ نے کہا

" وہ تو میں اچھی طرح ، آج سے نہیں ہمیشہ سے جانتی ہوں ، نشاط آپ کو کتنا چاہتی ہے ، اور آپ کس طرح اس پر فدا ہیں ، یہ

تو مجھے بھی یقین ہے ــ کوئی آپ سے توڑ نہیں سکتا ــــــ

پھر بھی ــــــ"

وہ ذرا تیوری کے ساتھ گویا ہوئیں۔

" نہیں بیٹی، اگر" پھر بھی " کا میں نے خیال کیا تو میری بچی میرے ہاتھ سے نکل جائے گی، پھر تو اس کی وہیں شادی ہو گی جہاں منگنی ہو چکی ہے۔ مجھے تو" پھر بھی "سے بے پروا ہو کر اور چوکھی جنگ کر کے ان شیطانوں سے اپنی بچی کو بچانا ہے"!

صفیہ ہنسنے لگی۔

" تو کیا جنگ ضروری ہے"؟

وہ بڑی آمادگی کے ساتھ بولیں۔

" ہاں بیٹی بہت ضروری ہے، اگر میں نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو انور، ارجمند، امجدی، سب مل کر مجھے دبا لیں گے، مجھے تو رستم کا دل لے کر ان سب سے نمٹنا ہے ــــــ تم سدھار دو تو سہی، پہلا کام میں یہ کرتی ہوں کہ اس منگنی کے بندھن ہی کو کچے دھاگے کی طرح توڑتی ہوں، پھر آگے جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا"!

" تو میں سمجھ لوں کہ نشاط میری ہے"؟

" ہاں ــــــ صرف نشاط ہی نہیں اس کی ماں بھی تمھاری ہے

—— بیٹی میں زندگی بھر تمھیں دعائیں دوں گی، تم نے میری نازوں کی پلی بیٹی کو پھندے سے بچا لیا !"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھومتی پھرتی نشاط آ گئی، صفیہ نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"کیوں بی نشاط، مہمانوں کی خاطر اسی طرح ہوتی ہے؟ ہم یہاں اکیلے بیٹھے ہیں اور تم ادھر اُدھر گشت کر رہی ہو؟"

صفیہ کے اس اندازِ گفتگو سے وہ سمجھ گئی کہ اختری خانم کو صفیہ نے فتح کر لیا، پھر اس نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا، تو جو رونق اور رعنائی نظر آئی اس سے اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی کہنے لگی۔

"امّی آپ کے پاس جی تو —— میں تو آپ کے لیے کھانا پکا رہی تھی!"

اختری خانم نے محبّت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"جھوٹی کہیں کی" ——

وہ کہنے لگی،

"سچ امّی —— صفیہ باجی تو ناشتہ بھی نہیں کر رہی تھیں، میں نے زبردستی کرایا، دوپہر کے کھانے کے لیے انھوں نے نثار سے

کہہ دیا تھا کہ ہوٹل سے لے آئے، کھانا کھا نے پر بھی تیار نہیں تھیں،
میں نے اُسے منع کیا اور اب کھانا پکا کر آرہی ہوں، دیکھوں گی میرے
ہاتھ کا پکایا ہُوا کھانے سے کیسے انکار کرتی ہیں !"

صفیہ نے اعترافِ شکست کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی تمھارے پکائے ہوئے کھانے سے انکار کرنے کی حماقت ہم نہیں کرسکتے، ضرور کھائیں گے ——— تو پھر اب دیر کیا ہے لاؤ، بھوک لگی ہے !"

وہ خوشی خوشی بولی۔

"ابھی لائی ———"

پھر جاتے جاتے رُک گئی، اور ماں سے اس نے پوچھا۔

"کیا آپ نے بھی صفیہ باجی کو خوش کر لیا !"

وہ مسکرانے لگیں، صفیہ نے کہا۔

"پگلی ——— میں نے انھیں خوش کر لیا، اور ایک خبر تجھے سناؤں ؟"

بڑے شوق کے عالم میں اس نے کہا۔

"سنائیے ———"

صفیہ نے کہا۔

"خالہ جان سے میں نے تمھیں مانگ لیا، انھوں نے تمھیں مجھے دے دیا

اب تم میری ہو، صرف میری ——— میری بہن میری لاڈو !"

نشاط کی آنکھوں میں مسرت ناچنے لگی، اس نے کہا۔

"میں کب آپ کی نہ تھی ؟"

صفیہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ایک مختصر سا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ تو میری نہیں کسی اور کی ہو گئی تھی، اب پھر میری ہے ——— ہے نا ؟ — !؟"

اس نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں، اور کہنے لگی۔

"امی آپ صفیہ باجی کی باتیں سن رہی ہیں ؟"

وہ اس سے بھی زیادہ مسرور و خنداں ہو کر بولیں۔

"تو کیا بہری ہوں ——— سچ تو کہہ رہی ہے وہ !"

پھر قبل اس کے کہ نشاط کچھ کہے، بڑی بی ابل پڑیں، راز کو راز نہ رکھ سکیں، گلوگیر آواز میں کہنے لگیں،

"بیٹی تجھے کیا بتاؤں، آج سے میں کیا ہو گئی ہوں !"

وہ حیرت سے ماں کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیا ہو گئی ہیں آپ ؟"

وہ کہنے لگیں۔

" آج میں نے صفیہ کا اصلی روپ دیکھا ہے، یہ میں ہمیشہ سے جانتی تھی، وہ نیک ہے، بھلی ہے، اس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں لیکن خود غرضی نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا، آج وہ پردہ اٹھ گیا ہے، اور اب جو اس کا روپ نظر آیا ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ گہرا ہوا ہے بیٹی یہ تو انسان کے روپ میں فرشتہ ہے، اس نے مجھے معاف کر دیا، تجھے معاف کر دیا، تیرے خطاکار بھائی کو بھی معاف کرنے پر آمادہ ہے اس گھر میں اس کا کیا نہیں ہے، مگر اس نے سب تجھے دے دیا!"

یہ ساری باتیں نشاط کو معلوم تھیں، لیکن وہ انجان بنی سنتی رہی پھر مسکراتی ہوئی بولی۔

" لیکن سب کچھ دے کر اس سب کچھ سے زیادہ قیمتی چیز لے بھی تو لی؟"

اختری خانم اس کا یہ بلیغ کنایہ نہ سمجھ سکیں، انھوں نے پوچھا۔

" اس نے کیا لے لیا لڑکی؟"

وہ ایک ادائے خاص کے ساتھ مسکراتی ہوئی بولی۔

" مجھے" ———

پھر وہ ہنستی ہوئی کہنے لگی۔

" مجھے گھور کیوں رہی ہیں ——— آپ ہی تو ابھی کہہ رہی تھیں صفیہ باجی نے مجھے آپ سے مانگ لیا ہے، اور اتنی محبت کرنے کے باوجود

آپ نے خوشی خوشی ان کی یہ مانگ پوری کر دی !"

اختری خانم نے بگڑتے ہوئے کہا -

" بہت زبان چلنے لگی ہے تیری، ناشدنی کہیں !"

صفیہ نے نشاط کو گلے سے لگا لیا اور کہا -

" خالہ جان اس پر خفا نہ ہوجیئے ، یہ غلط نہیں کہہ رہی ہے واقعی اسے پاکر میں نے بہت قیمتی چیز پا لی ہے !"

اختری خانم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا -

" اے بی بی اس کا دماغ زیادہ آسمان پر نہ چڑھاؤ، ورنہ سارے گھر میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتی پھرے گی !"

صفیہ نے خوشی کے عالم میں کہا

" پیٹنے دیجئے ـــــ سچی بات آخر کیوں چھپائی جائے !"

وہ ہتھیار ڈالتی ہوئی بولیں -

" اچھا بھئی جو تم دونوں کا جی چاہے کرو !"

نشاط کہنے لگی -

" یہاں سے جب سے امجدی خالہ گئی ہیں ارجمند سے گھبر گھبر کر رہی ہیں ، دونوں کا ایک رنگ آرہا ہے ایک جا رہا ہے ، دونوں بہت خفا معلوم ہوتی ہیں ـــــ کیا یہاں آپ سے باباجی سے ان کی کچھ جھڑپ

ہوگئی تھی !"

صفیہ ہنسنے لگی، پھر اس نے کہا۔

"ہاں کچھ یوں ہی سہی!"

پھر اس نے اُن کی آمد سے لے کر روانگی کے وقت تک کی ساری کتھا سنا دی، صفیہ بھی یہ باتیں سن کر ہنسنے لگی، اتنے میں نصیبن آئی، اور اس نے پوچھا۔

"کھانا لاؤں؟"

صفیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی جلدی پوچھا بھئی۔ تین بج رہے ہیں —— لاؤ!"

کھانا آیا تو اختری خانم اپنے کمرے میں چلی گئیں، نشاط اور صفیہ نے ساتھ ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا اور باتیں بھی کرتی رہیں۔

باتوں باتوں میں شام کے سات بج گئے، اس عرصے میں نشاط ایک منٹ کے لیے بھی اس کے پاس سے نہیں ہٹی، صفیہ نے کہا۔

"اب سامانِ سفر تیار کرنا چاہیئے!"

نشاط نے پوچھا، "اور کھانا؟"

وہ بولی، "دیر میں کھایا ہے بالکل بھوک نہیں ہے، صرف چائے پی لوں گی۔ تمھارے بھیّا اب تک باہر ہی ہیں" ——

وہ بولی۔

" ہاں، شاید وہ آپ کے جانے تک نہ آسکیں، میرا اندازہ یہی ہے!—— چائے ابھی لائی!"

تھوڑی دیر میں وہ چائے لے کر آگئی، اتنی دیر میں نصیبن نے، سامان ٹھیک ٹھاک کر دیا تھا، صفیہ نے نصیبن سے کہا۔

" جاؤ، نثار سے کہو ٹیکسی لے آئے جلدی سے!"

نشاط ماں کے پاس پہنچی، جہاں منہ چلاتے امجدی بیٹھی تخمیں کھنے لگا۔

" امی میں باجی کے ساتھ اسٹیشن جا رہی ہوں احمد بخش کے ساتھ واپس آجاؤں گی! انھیں رخصت کر کے!"

اختری خانم نے کہا۔

" شوق سے جاؤ، منع کس نے کیا ہے؟!"

بیگم آثم ملک کے نام

۱

زمانہ بدلنے کچھ دیر لگتی ہے ؟
دن اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے سایہ !
اور یہ عمر رواں ؟
یہ تو اس طرح شروع ہوتی اور ختم ہوتی ہے کہ ـــــ کل کیا
تھا اور آج کیا ہو گیا ؟
قدرت کی بنائی ہوئی یہ مورتیں اور تصویریں جنھیں انسان کہا جاتا
ہے ، اپنے اندر کیسے کیسے کرشمے پنہاں رکھتی ہیں ؟
کلیوں اور شگوفوں کی طرح ، انسان نیست سے ہست ہوتا ہے

بچپن اس طرح گزرتا ہے جیسے گل نو دمیدہ، پھر وہ ایک تناور اور چھتنار درخت بن جاتا ہے، اور اس کے بعد —— اور اس کے بعد تو طوفان مرگ آتا ہے اور اسے جست سے نیست کر دیتا ہے۔

انسان کی جوانی قیامت بن کر آتی ہے، لیکن بہت جلد —— چند ہی سالوں میں —— یہ قیامت گزر جاتی ہے، اور پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا!

احمد نگر اور خان پور کے دونوں گھرانوں کو آج دیکھئے تو ایسا معلوم ہوگا، کایا پلٹ گئی ہے۔

انور اپنی بے اعتدالیوں کے باعث ضرورت سے زیادہ بوڑھا ہوگیا ہے، کچھ پنشن ملتی ہے، کچھ ماں کی چھوڑی ہوئی جائداد کی آمدنی ہے، اشتم پشتم زندگی بسر ہو رہی ہے، شاید زیادہ آرام سے بسر ہوتی، لیکن ماں کی جائداد کا بڑا حصّہ نذرِ ساہوکار ہوگیا۔

ارجمند کی رعنائی اب خزاں ہوتی جا رہی ہے —— شاید وہ اپنے شباب کا تحفظ کچھ عرصے تک اور کر لینے میں کامیاب ہو جاتی، لیکن کثرت اولاد نے، اسے کہیں کا نہ رکھا، اب وہ صرف ایک ماں ہے، اور ماں بھی بہت سے بچوں کی۔

احمد بخش کا ابھی کچھ دن ہوئے انتقال ہوگیا ہے، اس کی جگہ

پر ایک دوسرا شخص آیا ہے، یہ بھی وفادار اور کارگزار ہے — مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!

امجدی بیگم کی تو ہڈیاں بھی مٹی کھا گئی ہو گی، جس گھر میں وہ ملکہ معظمہ بن کر آئی تھیں، وہاں وہ صرف تین سال زندہ رہیں اور اپنے رب سے جا ملیں۔

اختری خانم کو کچھ زیادہ جلدی تھی، وہ امجدی بیگم سے پہلے ہی راہیِ ملک بقا ہو گئیں، ان کی موت پر آنسو بہانے والا کم از کم اس گھر میں ان کے پرانے خادم احمد بخش کے سوا کوئی نہ تھا۔

خان پور کی رونق نہ صرف یہ کہ قائم تھی، بلکہ شاید کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

نشاط اپنے شوہر اطہر کے ساتھ ٹھاٹھ اور شان کی زندگی بسر کر رہی ہے، ماشاء اللہ دو بچوں کی ماں ہے، ایک لڑکا بارہ سال کا ہو چکا ہے، دوسرا دس سال کا ہے دونوں سینٹ پیٹرک اسکول میں اونچی اور اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نعیمن نشاط کے ساتھ گویا جہیز میں آئی تھی، وہ اس وفاداری اور جاں نثاری سے جو اس کا شیوہ خاص تھا، نشاط کی اور اس کے بچوں کی خدمت کر رہی تھی، اس نے نشاط کو بھی گود دوں کھلایا تھا۔

اور یہ دونوں بچے بھی اسی کی گود میں پروان چڑھے تھے۔

اطہر صاحب ایک مقامی کالج میں پہلے پروفیسر مقرر ہوئے اب وہیں پرنسپل ہیں، گھر سے بھی خوش حال ہیں، نہایت فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

دونوں میاں بیوی میں غیر معمولی محبّت ہے، اطہر، نشاط پر ہزار جان سے فدا ہے، نشاط، اطہر کو دیکھ دیکھ کر جیتی ہے، نہ کوئی غم ہے نہ کوئی فکر، بڑے سکھ اور آرام سے بسر ہو رہی ہے!

صفیہ بوڑھی تو نہیں ہوئی ہے، لیکن جوان بھی نہیں ہے!

مسعود کی تعلیم و تربیت کے لیے اس نے اپنے آپ کو وقف کر دیا اگر خالدہ زندہ ہوتی، تو وہ بھی اپنے بیٹے کو اس چاؤ، اس محبّت، اور اس پیار سے نہ رکھتی جس طرح صفیہ نے مسعود کو رکھا تھا، دن کا چین اور رات کا آرام اس نے اپنے بھانجے کے لیے قربان کر دیا، اس کے سر میں ذرا درد ہوا، اور یہ بیکل ہوئی، اسے ذرا سی حرارت آئی، اور یہ اختلاج میں مبتلا ہوئی، اسے ذرا افسردہ دیکھا اور اس کی جان پہ بن گئی۔

لیکن اس غیر معمولی محبّت کے باوجود، اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی اس خوبی کے ساتھ انجام دی کہ وہ ایک مثالی لڑکا بن گیا ذہین، شوخ، شریر، مؤدب، مہذّب، نماز کا پابند، بہت اچھا

کھلاڑی، علم کا شائق، کھیل کے میدان کا ہیرو، شگفتہ مزاج، خوش رو، باوضع!، اس نے تعلیمی مدارج بڑی تیزی سے اور نمایاں امتیاز کے ساتھ طے کیے، اور اب وہ لندن میڈیکل کا ایک ہونہار اسٹوڈنٹ تھا۔

ہر ہفتے پابندی سے اس کے خط صفیہ کے پاس اور صفیہ کے اس کے پاس جاتے رہتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ صفیہ نے جتنی محبت اسے دی تھی اس سے زیادہ پا بھی لی تھی!

مامتا، عورت کی فطرت ہے، بہن کے غم نے صفیہ کے اس جوہر کو اور زیادہ نمایاں کر دیا تھا، !

لیکن مسعود کی کیفیت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ صفیہ کو اس سے کہیں زیادہ چاہتا ہو، جتنا صفیہ اس کو چاہتی تھی۔

خاندان کے لوگ مسعود کی اس بے تابانہ محبت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے، وہ صفیہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ نہیں سکتا تھا، وہ بیمار پڑتی تھی، تو یہ رو رو کر برا حال کر لیتا تھا، اسے پریشان دیکھتا تو اس طرح بے کل ہو جاتا، جیسے کوئی ماں اپنے ننھے سے بچے کے لیے ہوتی ہے، کبھی اس کا سر دبانے لگتا، کبھی اس کے پاس یوں ہی چپ چاپ بیٹھ جاتا، کبھی اسے پیار کرنے لگتا۔

بیرسٹر صاحب یعنی صفیہ کے شوہر بھی مسعود کو اتنا ہی چاہتے تھے،

جتنا کوئی باپ اپنے لڑکے کو چاہ سکتا ہے، لیکن ان کی محبت میں مردانہ وقار بھی شامل تھا، وہ اس کی پوری خبرگیری رکھتے تھے، اس کی راحت و آسائش کا پورا اہتمام کرتے تھے، لیکن ظاہر ہے ماں نہیں بن سکتے تھے۔

نثار بدستور گھر کے تمام کام کرتا تھا، نہ جھڑکیوں سے خفا ہوتا تھا، نہ تعریف سے خوش، اسے بس اپنے کام سے کام تھا۔

ظہور میاں نے خاصی ترقی کر لی تھی، تھوڑے بہت لکھے پڑھے بھی تھے، اب وہ باقاعدہ صفیہ کے تمام ذاتی امور کے انچارج تھے، حساب کتاب، لین دین، تنخواہوں کی تقسیم، یہ ساری ذمہ داریاں ظہور کی تھیں!"

۲

ایک روز نشاط، صفیہ کے ہاں آئی ۔ اکثر آیا کرتی تھی، دونوں کی کوٹھیاں کچھ بہت دور نہ تھیں، آتی تھی تو گھنٹوں اور پہروں بیٹھا کرتی تھی، کبھی ایسا بھی ہوتا صفیہ اسے روک لیتی، اور کئی کئی دن نہ جانے دیتی ۔

نشاط نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا، اس کی نظر گھر کی ملازمہ پر پڑی اس سے پوچھا ۔

"باجی کہاں ہیں ؟"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی ۔

" اپنے کمرے میں ہیں !"

نشاط نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا -

" ادی تو رو کیوں رہی ہے ؟"

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، وہ کہنے لگی -

" بڑی دیر سے اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی ہیں !"

نشاط نے کہا -

" سمجھ گئی، آج پھر زرینہ کی یاد آئی ہو گی ۔ اس کی تصویر کلیجہ سے لگائے بیٹھی ہوں گی، اور رو رہی ہوں گی ؟"

وہ بولی -

" جی ہاں یہی بات ہے ——— جب بھی بٹیا (زرینہ) کی یاد آجاتی ہے، وہ بیکل ہو جاتی ہیں، پھر ان پر رونے کا دورہ پڑ جاتا ہے نہ کھانے کا ہوش رہتا ہے نہ پانی کا، بالسٹر صاحب (بیرسٹر صاحب) بھی سمجھاتے سمجھاتے تھک جاتے ہیں، مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بڑی دیر تک آج بھی ان کے پاس بیٹھے سمجھاتے رہے اے بھئی کیا خدا دے سکتا ہے، لے نہیں سکتا ؟ اور پھر جس بات کو اتنے برس بیت گئے، اس کا غم زندگی بھر کے لیے پال لینا کون سی عقلمندی ہے ؟!"

" ٹھیک تو کہہ رہے تھے !"

" لیکن وہ مائیں کب اُلٹا انہی سے خفا ہو گئیں ؟"

" اولاد کا داغ ایسا ہی ہوتا ہے ، وہ کبھی نہیں مٹتا !

" وہ تو میں بھی جانتی ہوں بی بی ، خود میری ایک لڑکی ماشاء اللہ تین سال کی ہو کر ہنستی کھیلتی مر گئی ، میں نے کیا کر لیا ؟ ادی بیٹھی ، آخر رو دھو کر چپ ہو رہی ، اب اس کے غم میں جان تھوڑی دے سکتی !"

" ہاں یہ تو ٹھیک ہے ، لیکن باجی کی صرف ایک ہی لڑکی تھی ——— لیکن اللہ نے انہیں لڑکا دے دیا ——— بی بی میں تو کہتی ہوں ایسا لڑکا قسمت ہی والے کو ملتا ہے ، جتنی خالہ فدا ہیں اس پر ، ان سے زیادہ وہ جان دیتا ہے ان پر ——— اس کے سامنے جب کبھی بٹیا کی یاد آتی تھی ، وہ کسی نہ کسی طرح ان کا غم غلط کر دیتا تھا ، لیکن جب سے وہ گیا ہے ، بٹیا کی یاد بھی زیادہ آنے لگی ہے ، اور انہیں یاد کر کر کے اب پہلے سے کہیں زیادہ رونے لگتی ہیں ، کہتی ہیں آج وہ ہوتی تو اس کی شادی کرتی میں بڑی دھوم دھام سے !"

" اچھا میں جاتی ہوں ان کا غم بٹانے کی کوشش کرتی ہوں !"

" اے بی بی تم کیا ، کوئی بھی ان کا غم نہیں بٹا سکتا !"

" اے یہ تو کیا کہنے لگی ؟"

" ہاں بی بی کچھ غلط تو نہیں کہتی !"

"بالکل غلط ——— کئی دفعہ میں نے اور مسعود نے کبھی مل کر، کبھی اکیلے اکیلے ان کا غم بٹایا ہے!"

"لیکن اب بات اور ہے!"

"اب کیا بات ہو گئی ہے!"

"پہلے انھیں صبر آ گیا تھا۔"

"اور اب ———؟"

"اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کی حالت ہی بدل گئی ہے!"

"آخر کیوں؟"

"ادھر کچھ دنوں سے بٹیا اکثر انھیں خواب میں نظر آنے لگی ہیں!"

"خواب میں؟"

"جی ———"

"خواب کی باتوں کا اتنا اثر؟"

"جی، ——— وہ کہتی ہیں، پہلے تو میں برسوں زرینہ کو خواب میں نہیں دیکھتی تھی، اب اکثر وہ نظر آتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی مصیبت میں ہے، اور مجھے پکار رہی ہے، بس یہ کہتے کہتے چھکوں پھکوں رونے لگتی ہیں، اللہ جانتا ہے ان کا رونا نہیں دیکھا جاتا!" ———

"یہ کیا ہو گیا ہے باجی کو ؟!"

"میں کیا بتاؤں، لیکن ایک بات کہے دیتی ہوں !"

"کیا کہہ رہی ہے تو ؟"

"یہ آثار اچھے نہیں ہیں !"

"(سہم کر) کمبخت تیرا مطلب کیا ہے ان باتوں سے ؟"

"شاید بٹیا انھیں اپنے پاس بلا رہی ہیں ؟"

"پھر وہی پہیلی ہے ۔"

"پہیلی کیا، کھلی ہوئی بات ہے، مردے جب کسی کو پکارتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ——"

"آگے کیوں نہیں کہتی کیا مطلب ہوتا ہے !"

"مطلب یہ ہوتا ہے کہ وقت آگیا !"

"وقت آگیا ؟ —— کیسا وقت —— ؟"

"(جل کر، جلدی سے) موت کا اور کاہے کا ——!"

"کمبخت اپنی زبان بند کر !"

"بی بی زبان تو میری بند ہی ہے، لیکن کہوں گی سچی بات، میری ایک چچی تھیں، ان کا جوان لڑکا مر گیا، کچھ دنوں کے بعد وہ اس غم کو بھول گئیں، کئی سال کے بعد اس نے خواب میں آنا شروع کیا ——

"اور وہ مر گئیں؟"

"جی مر گئیں!"

"تو تیرا مطلب یہ ہے کہ خدا نخواستہ باجی ــــــ"

"اے بی بی میرا مطلب کیوں ہوتا؟ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے، اللہ انہیں سو سال زندہ رکھے، لیکن میں تو دُنیا کی بات کہتی ہوں!"

"اچھا اب بک بک بند کرو ــــــ خبردار جو آئندہ کبھی ایسی بات مُنہ سے نکالی ہوگی!"

"تو بی بی پھر کوئی تدبیر نکالو۔"

"تدبیر کاہے کی نکالوں؟"

"یہی کہ بٹیا خواب میں نظر نہ آیا کریں، اور اگر آئیں بھی تو انہیں پکارا نہ کریں!"

صفیہ کی حالت سُن کر نشاط بے حد فکر مند اور پریشان ہو گئی تھی، لیکن یہ بات سُن کر اسے بے ساختہ ہنسی آگئی، اس نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بھلا کوئی کسی کے خواب بھی بند کر سکتا ہے اور کسی میں اتنا بار ابھی ہے کہ جو خواب میں نظر آتا ہو، اس پر بھی پابندی عائد کر دے کہ یہ کہو، اور وہ نہ کہو؟"

"بس یہی میں تم سے کہلانا چاہتی تھی!"

"کیا کہلانا چاہتی تھی تو مجھ سے؟"

"یہی کہ ان باتوں میں انسان بے بس ہے، یہ خدا کی باتیں ہیں، جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے —— سوچنے کی بات ہے کہ کتنے برسوں کے بعد، ہماری بی بی کی بٹیا خواب میں کیوں آ آکر پکارنے لگیں؟ پہلے کبھی ایسا کیوں نہیں کیا؟"

نشاط نے جھلا کر اور برافروختہ ہو کر کہا۔

"دیکھو بڑی بی اپنی منطق رکھو اپنے پاس، لیکن آئندہ اگر تم نے ایسی بکواس میرے سامنے کی تو اچھا نہیں ہوگا، تم نے میرا غصہ نہیں دیکھا ہے، غضب خدا کا اس ڈھٹائی کو تو دیکھو، یہ بڑھیا میرے سامنے میری باجی کے متعلق اول فول بک رہی ہے، کچھ ہوش میں ہے، زبان کھینچ لونگی گدی سے!"

اب بھلا وہ کیا کہہ سکتی تھی چپ ہو گئی، لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا اپنے عقیدے پر قائم ہے اس کے خیال میں صفیہ بس اب چند دنوں کی مہمان ہیں۔

اسے ڈانٹ پھٹکار کے نشاط تیر کی طرح سیدھی صفیہ کے کمرے میں داخل ہو گئی!

۳

نشاط، صفیہ کے بڈ روم میں داخل ہوئی، اور جاتے ہی اس سے لپٹ گئی، اور خود بھی رونے لگی، اس نے کہا۔

"باجی یہ کیا ہو رہا ہے!"

صفیہ نے ایک تصویر کی طرف جو سرہانے دیوار پہ آویزاں تھی اشارہ کیا اور کہنے لگی۔

"اسے میری ضرورت ہے، یہ ہر دوسرے تیسرے دن خواب میں میرے پاس آتی ہے، مجھے پکارتی ہے، بلاتی ہے، جب میں بلاتی ہوں تو میرے قریب آکر گلے سے لگ جاتی ہے، اور، رونے لگتی ہے۔

—— نشاط وہ میرے پاس کیوں نہیں آجاتی؟ اور نہیں آسکتی تو میں اس کے پاس کیوں نہیں پہنچ جاتی، اس سے بڑا بھی کوئی اندھیر ہوسکتا ہے کہ میری بچی، میری لاڈلی، میرے جگر کا ٹکڑا، میرا دل مجھے پکارے اور میں جواب نہ دے سکوں؟ مجھے بلائے، اور میں اس کے پاس نہ جاسکوں؟ —— کیا قدرت صرف ظلم کرنا جانتی ہے، رحم کرنا نہیں سیکھا اس نے؟"

یہ کہتے کہتے، صفیہ کی آواز بھرا آئی، آنکھیں پُرنم ہوگئیں، اور وہ ضبطِ گریہ کی کوشش کرنے لگی۔!

یہ کیفیت دیکھ کر نشاط کا دل بہت کڑھا۔

جب وہ احمد نگر میں تھی، جب ہی وہ زرینہ کے انجام سے واقف ہوچکی تھی، اس نے اس غم میں صفیہ کا رونا اور بلکنا بھی دیکھا تھا۔

پھر جب وہ خان پور آئی، تو صفیہ کے غم میں ٹھہراؤ پیدا ہوچکا تھا!

زرینہ کی یاد اب بھی آتی تھی اس کی باتیں اب بھی وہ کرتی تھی، اور اس ذکر پر وہ رو بھی دیا کرتی تھی، لیکن کبھی کبھی، بس چھٹے چھ ماہے ——

وہ سوچا کرتی تھی، مسعود نے باجی کے دل سے زرینہ کا غم مٹا

دیا ہے !

مسعود باجی کے زخمِ دل کا پھاہا بن کر آیا ہے !

اور یہ بات بڑی حد تک صحیح بھی تھی ، !

اتنے برس بیت گئے ، یہ پھاہا اپنا کام کرتا رہا ، اور ایسا معلوم ہوا جیسے زخم مندمل ہو گیا ہے ۔

لیکن ادھر کچھ عرصے سے وہ پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا تھا ۔

وہ زخم جس کے بارے میں خیال تھا کہ مندمل ہو گیا ہے اس کا کھرنڈ پھر اکھڑ گیا تھا !

اس سے پھر خون رِسنے لگا تھا ، !

صفیہ کے سرہانے ، ایک بڑا سا فوٹو فریم کا آویزاں تھا ۔

واقعی بڑی خوب صورت بچی تھی !

پانچ سال کا سن ، بوٹا سا قد ، پھول سی صورت ، ہونٹوں پر معصومانہ تبسم ، آنکھوں میں ، پیاری سی اور دل میں اُتر جانے والی شوخی ، اتنی پیاری تصویر تھی کہ جی چاہتا تھا اسی کو بس پیار کرنے لگو ،

ایک چھوٹی سی ویسی ہی تصویر اسی پوز میں ، مسہری کے پاس ایک چھوٹی سی میز پر رکھی تھی !

صفیہ اسی تصویر کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی ۔

نشاط نے صفیہ کے گلے میں بانہیں ڈالے ڈالے کہا۔

"باجی خدا کے لیے اپنے اُوپر رحم کرو۔!"

وہ خلا میں گھورتی ہوئی کہنے لگی۔

"اپنے اوپر رحم تو اسی طرح کر سکتی ہوں کہ جلد از جلد مر جاؤں! ——— زرینہ سے ملنے کی اس کے سوا تو کوئی صورت نظر نہیں آتی!"

شکوہ سنج لہجہ میں نشاط نے کہا۔

"واہ باجی اس طرح کی باتیں نہ کیا کرو ——— کیا تمھاری زندگی صرف تمھاری ہے؟"

وہ اسی طرح خلا میں گھورتی ہوئی بولی۔

"نہیں، میری نہیں، ——— صرف زرینہ کی!"

نشاط نے اسی طرح شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"غلط ——— باجی تمھاری زندگی بھائی صاحب (بیرسٹر صاحب) کی بھی، اور ———

صفیہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو بھائی صاحب کو، انھیں عدالت اور شطرنج سے کہاں فرصت، ——— غضب خدا کا نشاط تو نے کوئی ایسا کٹھور اور سنگ دل باپ بھی دیکھا ہے دُنیا میں جیسے تیرے بھائی صاحب

ہیں؟" ———

نشاط بے قرار ہو کر گویا ہوئی -

" باجی آج تو آپ عجیب طرح کی باتیں کر رہی ہیں، اتنے اچھے تو ہیں ہمارے بھائی صاحب، اور اتنا زیادہ تو چاہتے ہیں آپ کو!"

وہ گویا طنز کرتی ہوئی بولی -

" ہاں کیوں نہیں ——— بڑے اچھے ہیں، اس سے بڑھ کر ان کی اچھائی کیا ہو گی کہ کچھ دنوں تک رو دھو کر بیٹھ رہے بیٹی کو، اور پھر بھول لے تو اس شان سے جیسے ہمیشہ سے لاولد چلے آ رہے ہیں ———

نشاط حیرت سے صفیہ کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہیں واقعی بڑی بی (ملازمہ) کا کہنا خدانخواستہ سچ تو نہیں ہے؟ یہ اس دنیا سے رختِ سفر باندھنے کی تو تیاریاں نہیں کر رہی ہیں کہ

صفیہ بولی -

" اور بی بی رہا، مجھے " اتنا زیادہ چاہنے " کا معاملہ تو، اس کا ثبوت تو یہ ہے کہ مجھے آج روتا دیکھ کر، تھوڑی دیر تک تو دنیا سازی کے خیال سے بیٹھ کر مجھے تسلی تشفی دینے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اکتا گئے، سوچا ہو گا، کون اس پگلی کے پاس بیٹھ کر وقت گنوائے چنانچہ نصیحت پر اتر آئے، کہنے لگے -

"کیا کوئی کسی کے غم میں مر جاتا ہے، خدا کی مرضی پر شاکر ہونا سیکھو!"

اتنے میں کسی کا فون آیا، ہوگا کوئی شطرنج باز، کہنے لگے،

"ابھی آیا بھئی" ——

اور پھر مجھ سے فرمایا۔

"صفیہ، اب آنسو پونچھ ڈالو،!"

اور چلے گئے!

گویا میں ان کے حکم کی منتظر بیٹھی تھی کہ وہ فرمائیں، اور میں آنسو پونچھ ڈالوں'!

بڑی بے بسی اور عاجزی کے ساتھ نشاط نے کہا۔

"باجی خدا کے لیے مسعود پر رحم کرو! وہ آپ کی یہ حالت نہیں دیکھ سکے گا دیوانہ ہو جائے گا،!"

صفیہ نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

."نہیں بی —— نوجوان کسی غم کو بھی زیادہ دیر تک نہیں پالتے، کچھ روز میں مجھے بھول جائے گا، ویسے میں نے اس کے لیے سارا بندوبست کر دیا ہے کہ اگر اس کے واپس آنے سے پہلے میں مر جاؤں تو بھی ——

نشاط روہانسی ہوکر گویا ہوئی -

" یہ کیا کہہ رہی ہو باجی ؟"

صفیہ نے اسی یکسوئی کے ساتھ کہا -

" ہاں بھئی ہاں ——— میں نے اپنی ساری جائداد اس کے نام وصیت کر دی ہے ، مسعود کو خیر سے تمہارے بھائی صاحب بھی بہت چاہتے ہیں انھوں نے تو اپنی ساری جائداد ہبہ کر دی ہے اسے !"

عاجز آکر نشاط کہنے لگی -

" یہ کیا وصیت اور ہبہ کا قصہ لے کر بیٹھ گئیں تم ؟ تمہیں ابھی بہت دن زندہ رہنا ہے ، اور خدا چاہے تو بھائی صاحب بھی بہت دن زندہ رہیں گے " ———

پھر جیسے یکایک اسے کچھ یاد آگیا ، کہنے لگی -

" کیوں باجی ایک بات اپنی بھول گئیں ؟"

صفیہ نے بے پروائی کے ساتھ پوچھا -

" کون سی بات ؟"

نشاط نے جذبۂ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اور در حقیقت اسے خوش کرنے اور اس کا خیال ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا -

" یہ کہ تم مسعود کی شادی کر وگی ، اس کی ایک خوب صورت سی دلہن

بیاہ کر لاؤ گی ـــــــ یہ باتیں کس چاؤ، اور شوق سے کیا کرتی تھیں، کیا بھول گئیں ؟"

وہ بڑے سنجیدہ انداز میں بولی -

" بھولتی کیوں یاد ہیں ؟"

نشاط نے گویا اس کی غلطی پر اسے متنبہہ کرتے ہوئے کہا -

" پھر یہ مایوسی کیوں ؟ یہ زندگی سے بیزاری کیوں ؟ اگر خدانخواستہ تمھیں کچھ ہوگیا ، اور تم اس دُنیا میں نہ رہیں تو یہ سارے کام کون کریگا ؟"

بڑی بے جسنگی کے ساتھ صفیہ نے جواب دیا -

" تم !"

نشاط بے بس ہوگئی، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے!

۴

عقیبہ کی یہ کیفیت ایک طرح کا نفسیاتی بحران تھا، زمانے کی گردش نے اس کے دل سے زرینہ کا داغ بڑی حد تک محو کر دیا تھا، کبھی یاد آجاتی، یا اس کا ذکر چھڑ جاتا تو دو چار آنسو بہا لیتی، اور قصہ ختم۔

لیکن مسعود جب سے اس گھر میں آیا تھا غیر محسوس طور پر وہ زرینہ کی کمی محسوس کرنے لگی تھی،

مسعود کو وہ بڑے چاؤ، اور ارمان سے لائی تھی، اسے وہ محبت دی تھی جو ایک ماں بھی نہیں دے سکتی، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ احساس

بھی بڑھتا رہا کہ کاش آج زرینہ بھی ہوتی، وہ اور مسعود ساتھ ساتھ کھیلتے، ساتھ ساتھ پروان چڑھتے، ساتھ ساتھ پڑھتے، ساتھ ساتھ بڑھتے، ساتھ ساتھ بڑے ہوتے، اور کم و بیش، ساتھ ساتھ جوان ہوتے!

لیکن اس "کاش" کا عمل میں آنا ممکن ہی نہیں تھا!

مسعود کھیلتا تھا، پروان چڑھ رہا تھا، پڑھ رہا تھا، بڑھ رہا تھا، بڑا ہو رہا تھا، اور بچپن کی منزل سے نکل کر جوانی کی سرحد میں داخل ہو رہا تھا!

لیکن زرینہ کہیں نہیں تھی!

زرینہ ——— جس سے وہ کتنی محبت کرتی تھی، جو اس کی اکلوتی اولاد تھی، جس کے بعد پھر کوئی اولاد ہی نہ ہوئی!

وہ سوچا کرتی تھی، زرینہ ہوتی، تو اس کا اور مسعود کا جوڑ کتنا اچھا ہوتا؟

باہر سے دلہن لانے کی ضرورت ہی نہ تھی!

دولہا بھی گھر ہی، دلہن بھی گھر ہی،

دونوں کی شادی ہو جاتی، اور ان دونوں کو دیکھ کر میں کتنی خوش ہوتی ———؟

لیکن مقدّر نے میری خوشی چھین لی، مجھ سے اور خوشی سے کیا تعلق؟ ——

جیسے جیسے مسعود پڑھتا رہا، صفیہ کے دل میں یہی خیالات پیدا ہوتے رہے۔

لیکن وہ ضبط سے کام لیتی رہی، اپنے جذبات کو دباتی رہی۔

پھر مسعود جب ڈاکٹری کی تکمیل کے لیے ولایت گیا، تو یہ خیالات اور زیادہ آنے لگے۔

اور اب کہ کچھ عرصے میں وہ خدا کے فضل و کرم سے ڈاکٹری کی سند لے کر واپس آنے والا تھا، یہ خیالات اس کے ذہن و دماغ پر بُری طرح چھا گئے!

وہ سوچتی تھی، اب مسعود جوان ہو گیا ہے، تعلیم مکمل کر کے لندن سے واپس آ رہا ہے۔

اب اس کے لیے دُلہن کی تلاش کرنی پڑے گی۔

اب اس کی شادی کرنی پڑے گی۔

نشاط نے اپنی حماقت سے خاندان میں اور خاندان سے باہر کچھ لڑکیاں اس حیثیت سے اسے دکھائیں بھی اور سوال کیا۔

" باجی، یہ مسعود کے لیے کیسی اچھی دلہن رہے گی؟"

یہ لڑکیاں جوان تھیں، خوب صورت تھیں، شوخ اور بذلہ سنج نہیں!

انہیں دیکھ کر اس نے نشاط سے کہہ بھی دیا تھا۔

"ٹھیک ہے ——— لیکن خیر سے مسعود کو آتو لینے دو!"

لیکن نشاط سے یہ کہہ چکنے کے بعد جو چیز ہتھوڑے کی طرح اس کے دل و دماغ پر ضربیں لگاتی تھی، وہ زرینہ کی یاد تھی!

زرینہ ———

جو آئی اور چلی گئی!

جسے پالنے، پروان چڑھانے، اور جوان دیکھنے کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی!

اب وہ نہیں ہے صرف اس کی یاد ہے!

وہ ہوتی تو دوسرے گھروں اور خاندانوں میں مسعود کا رشتہ تلاش کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟

جیسے جیسے مسعود کے واپس آنے کے دن قریب آتے جا رہے تھے ویسے ویسے زرینہ کی کمی وہ محسوس کرنے لگی تھی!

ضبط کی اب بھی کوشش کرتی تھی، اپنے جذبات کو دبانے کی جدوجہد اب بھی کرتی تھی، لیکن اب معاملہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس کے

قابو سے باہر ہوتا چلا جا رہا تھا !

اب زرینہ کثرت سے اس کے خواب میں آنے لگی تھی۔

اسے پکارنے لگی تھی۔

اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگی تھی۔

اس سے فریاد کرنے لگی تھی کہ تم کیسی ماں ہو کہ مجھے اپنے پاس نہیں بلاتیں ؟

میری خبر نہیں لیتیں ؟

میرے دُکھ کو محسوس نہیں کرتیں !

خواب میں وہ اسے تسلّی دے دیتی تھی۔

اور وہ اس تسلّی سے مطمئن بھی ہو جاتی تھی !

لیکن خواب کے بعد جب آنکھ کھلتی تھی، تب —————— ؟

تب، زرینہ کی تصویر نگاہِ تصوّر میں ابھرنے لگتی تھی۔

اس کی پکار کانوں میں گونجنے لگتی تھی۔

اس کی فریاد ایسا معلوم ہوتا تھا ایک تیر ہے، جو کلیجہ کے پار ہوا جا رہا ہے !

تسلّی اور تشفّی کے وہ الفاظ جن سے وہ خواب میں بظاہر مطمئن ہو جاتی تھی اب عالمِ بیداری میں تمسخر اور استہزا معلوم ہونے لگتے تھے۔

اسے اپنے وجود سے شرم آنے لگتی تھی۔
ماں بیٹی کا مذاق اڑائے ———!
اور بیٹی کیا وہ جو مصیبت زدہ ہے آشفتہ حال ہے!؟
یہی کیفیت اسے بے تحاشہ رونے پر مجبور کر دیتی تھی،
بیرسٹر صاحب اسے بہت چاہتے تھے، بلکہ سچ یہ ہے کہ دل و جان سے چاہتے تھے!
ان کی چاہت اور سچی محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ انھوں نے اس کی ہر بات مانی، کبھی اس کا دل نہیں دکھایا، اسے صدمہ نہیں پہنچایا۔
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زرینہ کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔
اور خود زرینہ بھی خواب و خیال بن گئی!
خاندان والوں نے، عزیزوں نے، رشتے داروں نے، بے تکلف دوستوں نے، لاکھ سر پٹکا اور ہزار کوشش کی کہ وہ عقد ثانی پر کسی طرح رضامند ہو جائیں!
لیکن اس اللہ کے بندے کی نہیں کو ہاں سے کوئی نہیں بدل سکا!
کسی قیمت پر بھی وہ دوسری شادی کرنے پر رضامند نہیں کیے جا سکے۔

ان کا جواب ایک ہی تھا :

" صفیہ کا وجود میرے دل کا سکون ہے، اولاد مر بھی سکتی ہے، نالائق بھی ہو سکتی ہے، زرینہ کس دھوم دھام سے پیدا ہوئی تھی آج کہاں ہے؟ بھائی احمد کے نالائق اور بدچلن بیٹوں کو دیکھ کر تو بھی جی چاہتا ہے کہ کاش ایسی اولاد ہی نہ ہوتی۔

لیکن صفیہ میری زندگی ہے۔

جس دن وہ نہ رہی وہ میری زندگی کا بھی آخری دن ہوگا،

اس نے مجھے جو آرام دیا ہے، اور جس طرح میری "پرورش" کی ہے، اس کا شکر زندگی بھر میں ادا نہیں کر سکتا۔

جو لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں بدترین محسن کشی کا ثبوت دوں اور دوسری شادی کر لوں، وہ مجھے آج تک نہیں سمجھ سکے ہیں اور شاید کبھی نہیں سمجھ سکیں گے !

خود صفیہ نے بھی کئی بار اصرار کیا۔

" کر لیجئے ایک اور شادی، آخر اس میں حرج ہی کیا ہے ؟"

بیرسٹر نے جل کر جواب دیا۔

" تم کیوں نہیں کر لیتیں دوسری شادی ؟"

وہ خفا ہو کر بولی۔

"ارے واہ، بڑے بدتمیز ہیں، میرے دشمن کریں دوسری شادی
اللہ میرا سہاگ قائم رہے، آپ کی زندگی سے میری زندگی ہے، ہزار
بار خدانخواستہ، آپ نہ رہے تو میں جی کر کیا کروں گی؟"

اور بیرسٹر صاحب نے جواب میں کہا۔

"بڑی نقال، اور کند ذہن ہو؟"

وہ بولی۔

"یہ کیوں؟ —— یہ کیسے جانا آپ نے؟"

وہ کہنے لگے۔

"وہی الفاظ جو میں دوسروں سے کہا کرتا ہوں تم نے دوہرا دیئے
حلف لے لو جو تمہارے بعد ایک دن بھی زندہ رہنے کی کسی کا فر کو آرزو ہو
میرا "سہاگ" بھی صرف تمہارے ہی دم سے قائم ہے، لاکھ بار خدانخواستہ
اگر تم نہ رہیں تو میری زندگی بھی موت ہے!"

صفیہ نے جلدی سے بیرسٹر صاحب کے چوڑے چکلے منہ پر ہاتھ
رکھ دیئے اور کہنے لگی۔

"بس بہت ہولیا، اب چپ رہیئے، اس سے زیادہ میں نہیں سن سکتی!"

وہ سنجیدگی کے ساتھ گویا ہوئے۔

"لیکن شرط یہ ہے کہ اب یہ بات نہ مذاق میں، نہ سنجیدگی میں ہر

سامنے مُنہ سے نہ نکالنا ۔"

وہ مُنہ چڑاتی ہوئی گویا ہوئی ۔

" اوہو ——— اب تو آپ بیرسٹر صاحب سے جج صاحب بنتے چلے جارہے ہیں ، یہ حکم کسی اور پر چلایئے گا !"

وہ جواب میں کہنے لگے ۔

" ہر معاملے میں مجھے اپنا محکوم سمجھو ، سوا اس معاملے کے ۔"

اور اب وہی بیرسٹر صاحب تھے جو صفیہ کو سمجھاتے سمجھاتے تھکے جارہے تھے ، مگر وہ ان کی ایک نہ سُنتی تھی ۔

وہ ناممکن کو ممکن بنانے پر تلی ہوئی تھی !

وہ ہر قیمت پر زرینہ کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی تھی !

اور زرینہ کی بقول بڑی بی کے ہڈیاں پسلیاں تک مٹی ہو چکی تھیں !

۵

صفیہ کی وہی کیفیت تھی، !

زرینہ کی تصویر کو مایوسی کے عالم میں تکنا، کلیجے سے لگانا، آہیں بھرنا اور رونا، !

نشاط اس کی یہ حالت دیکھ کر اپنے گھر واپس نہیں گئی، حالانکہ اطہر جائداد کے ایک کیس کے سلسلہ میں شودلپور گیا ہوا تھا، اور گھر پر بچے اکیلے تھے، بیرسٹر صاحب نے اصرار بھی کیا۔

تم چلی جاؤ، ہم میاں بیوی کو خدا نے ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے، میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوں گا، تو یہ کام آئیں گی، ان

پر کوئی بپتا پڑے گی تو میں خدمت کے لیے وقف رہوں گا ـــــ

وہ بولی

"شکریہ بھائی صاحب، لیکن میں تو باجی کے پاس رہوں گی ابھی دو ایک روز، اور چاہیے آپ لاکھ جلیں ان کی پٹی سے پٹی ملا کر سوؤں گی!"

وہ ہنسنے لگے، صفیہ نے شکایت کرتے ہوئے نشاط سے کہا۔

"دیکھو یہ ہنس رہے ہیں!"

وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"باجی ـــــ ایسا نہ کہیئے" ـــــ

صفیہ نے کہا۔

"یہ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں ـــــ"

بیرسٹر صاحب نے سنجیدہ لہجے اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"صفیہ خدا کے لیے اپنے اوپر رحم کرو، یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے، مجھ تک سے تم بدگمان ہونے لگی ہو؟"

جواب میں اس نے کہا۔

"پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

انھوں نے نشاط سے فریاد کرتے ہوئے فرمایا۔

"بتاؤ بھئی میں نے کیا کہا؟"

وہ کہنے لگی۔

"بھائی صاحب آپ باجی کی باتوں کا اتنا سنجیدہ نوٹس کیوں لیتے ہیں؟ آج وہ مغموم اور ذہنی طور پر متفکر زیادہ ہیں، ہر بات انھیں بُری لگتی ہے!"

بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"لیکن مجھے تو ان کی کوئی بات آج تک بُری نہیں لگی، اور میرا دعویٰ ہے کبھی بُری لگ بھی نہیں سکتی، ان کے لیے میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں، تڑپ سکتا ہوں!"

یہ کہتے کہتے بیرسٹر صاحب کی آواز بھرا گئی، صفیہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا، پھر اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔

بیرسٹر صاحب نے صفیہ کا ہاتھ اوپر اُٹھایا، اور آنکھوں سے لگا لیا، پھر اسے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"صفیہ کیا تمھیں میرے اوپر بھی رحم نہیں آتا!"

وہ دیوار کی طرف تکتی ہوئی بولی "صرف آپ ہی کی وجہ سے اب تک زندہ ہوں!"

بیرسٹر صاحب نے اپنی آنکھوں میں دُنیا جہان کی محبت سمیٹ کر کہا۔

"مجھے یقین ہے ——— لیکن صفیہ تم ایک بات پر غور نہیں کرتیں؟"

صفیہ منتظر اور سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی، بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"زرینہ کیا صرف تمہاری لڑکی تھی میری نہ تھی؟"

نشاط نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیسے نہیں تھی ——— آپ کی بھی تھی!"

بیرسٹر صاحب نے بدستور صفیہ کو مخاطب رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن مقدرات کے سامنے دنیا میں آج تک کس کی چلی ہے؟ اس کے سامنے تم بھی بے بس ہو، میں بھی بے بس ہوں!"

نشاط نے صفیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں باجی، بھائی صاحب سچ تو کہتے ہیں!"

صفیہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ بڑی بی وارد ہوئیں، اور نشاط سے فرمانے لگیں۔

"بٹیا تمہارا فون آیا ہے!"

نشاط نے حیرت سے پوچھا۔

" میرا فون ؟ —— شاید وہ شورپور سے واپس آگئے ——
بھائی صاحب میں ابھی آئی !"
وہ دوسرے کمرے میں پہنچی ، فون کا رسیور اُٹھایا ، واقعی اطہر تھا
وہ کہہ رہا تھا ۔
" سبحان اللہ آپ وہاں مزے کر رہی ہیں ، ادھر یہاں بچوں نے
ادودھم مچا رکھا ہے !"
وہ بولی ۔
" مچانے دیجئے ، میں ابھی نہیں آسکتی ، آخر آپ کس مرض کی دوا
ہیں ؟ بچوں کو بھی نہیں سنبھال سکتے ؟ ویسے بڑے کالج کے پرنسپل
بنے پھرتے ہیں ، وہاں نہ جانے کیا کرتے ہوں گے !"
اطہر نے جواب دیا ۔
" بھئی میں بہت نالائق ہوں ، اور اتنا صاف گو بھی کہ اپنی نالائقی
کا اعتراف کر رہا ہوں ، لیکن بندہ پرور ، آپ کے یہ بچے میرے سنبھالے
نہیں سنبھلتے ، یا پھر مجھے اجازت دیجئے کہ انھیں پھول کی چھڑی سے مارنا
شروع کر دوں ؟"
نشاط نے اکتائے ہوئے لہجہ میں کہا ۔
" پھول کی چھڑی سے نہیں لوہے کے ڈنڈے سے ماریئے ، مار ڈالیے

سب کو، مگر میں تو آنے سے رہی!

"اچھا تو کب آرہی ہو؟

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"یہ کیوں؟ ——— ہم دونوں میں کوئی لڑائی بھی تو نہیں ہوئی ہے مدّت سے!"

"آپ کو تو بس مذاق ہی سوجھا کرتا ہے ——— کچھ خبر بھی ہے؟"

"خبریں تو ریڈیو پر سُن چکا ہوں" ——— لیکن اگر کوئی "اسپیشل" ہو تو بتاؤ؟"

وہ جل کر بولی۔

"باجی کی طبیعت خراب ہے کئی دن سے!"

اطہر نے بے قرار ہو کر سوال کیا۔

"میری باجی کی؟ ——— وہ جھنجھلا کر کہنے لگی۔

"تو یہاں اور کون ہے؟"

اطہر نے پھر سوال کیا۔

"کیا صفیہ باجی کی طبیعت خراب ہے؟"

نشاط نے زور سے کہا۔

"ہاں، ہاں، ہاں" ———

اور پھر فون بند کر دیا۔

نشاط، صفیہ کے کمرے میں واپس پہنچی تو بیرسٹر صاحب نے دریافت کیا۔

"کیا اطہر تھا؟"

وہ بولی۔

"جی ہاں وہی تھے ——— ابھی شور پور سے آئے ہیں!"

"اوہو تو وہ شور پور میں تھا، اور تم بچوں کو صرف نصیبن پہ چھوڑ کر یہاں رہ گئیں؟"

"تو کیا ہوا بھائی صاحب؟ ——— آپ کو شاید معلوم نہیں میں اپنی باجی کو دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں!"

اس جواب سے بیرسٹر صاحب بہت متاثر ہوئے، جواب میں کوئی بات اخلاقاً کہنی چاہتے تھے کہ پورٹیکو میں موٹر کی آمد محسوس ہوئی انھوں نے کہا۔

"شاید اطہر آ گیا، وہ بھی تو اپنی آپا کو بے حد چاہتا ہے مصیبت یہ ہے کہ سب ہی انھیں بہت زیادہ چاہتے ہیں!"

اتنے میں اطہر آ گیا، اس نے صفیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ضرور میرا ہی ذکر ہو رہا تھا ابھی ——— کیوں آپا؟"

اور پھر جو اس نے غور سے صفیہ کی طرف دیکھا، تو آج وہ بالکل

ہی بدلی ہوئی نظر آئی، اب تک وہ نشاط کی باتوں کو بادِ ہوائی سمجھ رہا تھا، لیکن اب اپنی آنکھوں کو کس طرح جھٹلا دیتا؟"

وہ آ کر صفیہ کے پاس اس کے بستر پر بیٹھ گیا، اور پوچھا۔

"آپا کیسی طبیعت ہے؟"

وہ مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"اچھی ہوں ——— نشاط نے اور انھوں (ہیر سٹر صاحب) نے خواہ مخواہ مجھے بیمار بنا دیا ہے!"

اطہر نے بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے، بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"نشاط تو اوّل درجہ کی احمق ہے، اسے بھائی صاحب ———"

ہیرسٹر صاحب نے لقمہ دیا۔

"وہ اوّل درجے کے پاگل ہیں ———"

اطہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لاحول ولا قوۃ ——— اگر یہ واقعہ ہوتا تو بھی میں بھلا اتنی بڑی گستاخی کر سکتا تھا؟ ——— یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں۔ مجھے!

ذرا دیر کے لیے صفیہ کے افسردہ ہونٹوں پر بھی تبسّم کی لہر سی

آ گئی،" اس نے کہا۔
" تو بوڑھا ہو جائے تو بھی شیطان کا شیطان رہے گا!"
اطہر نے بڑے اطمینان سے کہا۔
" انشاء اللہ"
پھر اس نے پوچھا۔
" اچھا خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی مگر آخر بات کیا ہے؟"
نشاط نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
" بات کیا ہو گی؟ باجی کو جیسے زرینہ کی یاد آتی ہے پھر ان کی طبیعت بگڑ جاتی ہے!"
اتنے میں پھر موٹر کے ہارن کی آواز آئی، بیرسٹر صاحب نے کہا۔
" یہ کون آ گیا؟ ——— میرا تو کسی سے اپائنٹمنٹ نہیں تھا؟"
اطہر نے جواب دیا۔
" یہاں آتے وقت میں نے ڈاکٹر سہیل کو فون کر دیا تھا، وہ آئے ہوں گے!"
یہ کہہ کر اطہر اس لیے اٹھا کہ انہیں جا کر لے آئے، صفیہ نے کہا۔
" اطہر بڑے بے وقوف ہو تم؟ ڈاکٹر سہیل کو بلانے کی کیا ضرورت

تھی ؟ میں تو اچھی خاصی ہوں !"

اطہر نے جاتے ہوئے کہا۔

" بے شک ، میرا بھی یہ خیال ہے میں نے ڈاکٹر سہیل کو صرف اس لیے بلایا ہے کہ ہم تینوں یعنی ، میں ، آپ اور ڈاکٹر سہیل اس بات پر متفق ہو جائیں گے کہ آپ خدا کے فضل سے بالکل اچھی ہیں ، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نشاط کی طرف سے ایک نہایت ٹھاٹھ دار دعوت کا اہتمام کیا جائے گا !"

چند منٹ میں ڈاکٹر سہیل کو لے کر اطہر آ گیا !

ڈاکٹر سہیل ، اطہر کے خاندانی معالج تھے ویسے آمد و رفت ان کی بیرسٹر صاحب کے ہاں بھی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت تفصیل سے صفیہ کا معائنہ کیا ، اور نسخہ لکھ دیا ، اور اطہر سے کہا۔

" ایک بہت اہم پیٹنٹ دوا میرے پاس ہے وہ میرے ساتھ چل کر لے آیئے !"

بیرسٹر صاحب بھی سہیل اور اطہر کے ساتھ ساتھ باہر آئے یہاں انھوں نے پوچھا

" کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے ؟"

اتنے میں نشاط بھی آگئی تھی، ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

"جناب آپ سے میں کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا، مریضہ کے اعصاب جواب دیئے جا رہے ہیں، اگر فوری تدبیر نہ کی گئی تو ———

بیرسٹر صاحب نے کہا "تو پھر انتظار کاہے کا ہے! فوری تدبیر کیجئے، اور اس کی بالکل پروا نہ کیجئے کہ خرچ کیا ہوتا ہے۔!"

۶

ڈاکٹر سہیل نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، شہر کے دوسرے بڑے بڑے مانے ہوئے ڈاکٹروں کو بھی شریک مشورہ کیا، لیکن حالت یہ تھی کہ ــــــ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!"

سوا زرینہ کے صفیہ کو دوسری کوئی بات یاد ہی نہیں تھی، صبح ہو یا شام اسی کا ذکر، اسی کی یاد، اسی کی باتیں، اور ان باتوں کے ساتھ، سرد سرد آہیں اور گرم گرم آنسو!

ڈاکٹروں کو سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اگر خواب آور دوا دیتے ہیں تو خواب میں زرینہ ضرور آتی ہے، اور اپنی باتوں سے

اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، پھر کئی کئی دن تک وہ اسے نہیں بھولتی اور صرف اسی کا ذکر کرتی رہتی ہے، اور اگر خواب آور دوا نہیں دیتے تو نیند کا کہیں کالے کوسوں پتہ نہیں، اور بیداری کے عالم میں بھی سوا زرینہ کی تصویر حسرت بھری نظروں سے دیکھنے، اور آئندہ دروند سے اس کی باتیں کرنے کے سوا دوسرا کوئی مشغلہ نہیں، اور یہ دونوں چیزیں گھن کی طرح اس کی صحت کو چاٹے جا رہی تھیں،

رفتہ رفتہ اب وہ بستر سے لگ چکی تھی، نشاط تو مستقل طور پر اس گھر کی مکین بنی ہوئی تھی، اسے نہ اپنے بچوں کی فکر تھی، نہ محبت کرنے والے شوہر کی، وہ تھی اور باجی، وہی دودھ پلاتی، وہی ناشتہ کراتی، وہ ہی رو رو کر، اور زبردستی کر کر کے دو چار لقمے اس کے منہ میں ڈالتی، وہی اس کا مساج کرتی، وہی کپڑے بدلواتی، ایک ماہر اور تجربہ کار نرس کی طرح، ایک محبت کرنے والی اور جان چھڑکنے والی بہن کی طرح وہ صفیہ کی خدمت کر رہی تھی۔

بیرسٹر صاحب بیچارے صفیہ کی یہ حالت دیکھ کر خود زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کس طرف کا رُخ کریں، سوتے سوتے، رات کو کبھی ایک بجے کبھی دو بجے اپنے کمرے سے صفیہ کے کمرہ میں دبے پاؤں آتے، اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے،

کچھ دیر تک ٹکٹکی لگائے اسے دیکھتے رہتے اور بادیدۂ پُرنم رخصت ہوجاتے
رات کو کئی کئی مرتبہ ایسا ہوتا ۔

اطہر گو ماموں زاد بھائی تھا، لیکن سگے بھائی سے زیادہ صفیہ کو چاہتا تھا، وہ بھی اپنے وقت کا بڑا حصّہ یہیں صرف کرتا تھا جب تک رہتا تھا ہنسی دل لگی کی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا تھا اور جب، ڈاکٹر سہیل کے پاس حال کہنے جاتا تھا، تو ان سے کہتا تھا ۔

دیکھو ڈاکٹر اگر میری آپا بالکل تندرست نہ ہوگئیں، یا انھیں کچھ ہو گیا تو تمھیں شوٹ کر دوں گا ۔

اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آتیں ۔

سہیل اسے گلے سے لگا لیتا، اور تسلی و دل دہی کے لہجے میں کہتا ۔

میرے دوست تم جیسا بے فکر اور اتنا فکر مند ؟

وہ کہتا ۔

ہاں بھئی آپا کے معاملے میں، ضرورت سے بہت زیادہ جذباتی واقع ہوا ہوں، وہ عجیب چیز ہیں، عجیب ہستی ہیں، سچ کہتا ہوں، اگر نشاط کو کچھ ہو جائے، تو اس محبت کے باوجود جو مجھے ہے، میں شاید اس غم کو جھیل لوں گا، اگر میرے بچوں کو کچھ ہو جائے تو اس غیر معمولی

محبت کے باوجود جو مجھے ان سے ہے شاید اس غم سے بھی کسی طرح عہدہ برآ ہو جاؤں، لیکن اگر میری آپا کو کچھ ہو گیا، تو میرے پاگل ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں، ضرور میں دیوانہ ہو جاؤں گا، سہیل تم نہیں جانتے، آپا کے روپ میں خدا نے کیا چیز اس زمین پر اُتاری ہے!"

سہیل پھر اسے دلاسا دیتا اور کہتا۔

"میاں گھبراؤ نہیں خدا پر بھروسہ رکھو، اس نے فضل کیا تو بیڑا پار ہے، لیکن دوا سے زیادہ اس کے فضل ہی کی ضرورت ہے!"

صفیہ گو بستر سے لگ گئی تھی، لیکن اس کی حالت میں عجیب طرح کا اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا، کبھی دو دو تین دن تک وہ زرینہ کا ذکر نہ کرتی نہ شاید اسے خواب میں دیکھتی، اور نسبتاً پُرسکون حالت میں نظر آتی، ڈاکٹر بھی مطمئن ہو جاتا، بیرسٹر صاحب بھی اطمینان کا سانس لیتے، نشاط کے افسردہ چہرے پر بھی رونق آجاتی، اور حضرت اطہر کی گل افشانیوں میں بھی اضافہ ہو جاتا۔

لیکن دفعتہً یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔

زرینہ پھر یاد آنے لگتی، پھر خواب میں دکھائی دینے لگتی، اور وہ پھر جاں بلب ہو جاتی، جتنی کچھ توانائی اس عرصے میں آتی تھی

وہ رخصت ہو جاتی! ــــــ چہرے پر مُردنی چھا جاتی، اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے نہ جانے کتنے دنوں کی بیمار ہے۔

اس آتار چڑھاؤ نے ڈاکٹر کو بھی پریشان کر دیا تھا، اور تیمارداروں کو بھی سخت مضطرب کر رکھا تھا۔

اور اب ایک نئی بیماری شروع ہو گئی تھی۔

مسعود کی یاد۔

زرینہ کے ساتھ مسعود کا ذکر لازمی تھا، وہ بیرسٹر صاحب سے خفا ہو کر کہتی۔

اچھا بھئی، زرینہ کو تو میں نہیں پا سکتی، لیکن کیا مسعود سے بھی محروم رہوں گی؟ ــــــ اسے بلاؤ، جب میں مر جاؤں تو پھر لندن بھیج دینا، تعلیم مکمل کر کے آجائے گا، غضب خدا کا، لوگو دیکھو تو یہ اندھیر، ماں یہاں بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہی ہے، اور ان ظالموں نے اس کے چہیتے اور اکلوتے بیٹے کو سات سمندر پار لندن بھیج دیا ہے!"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی، اور پھر بڑی بے بسی کے ساتھ نشاط سے کہتی۔

"کیوں بی دعویٰ تو اتنا ہے مجھ سے محبت کا میرا ایک کام

نہیں کر سکتیں ——— ؟"

وہ بے قرار ہو کر جواب دیتی۔

"باجی، تمہارے لیے آسمان کے تارے بھی توڑ کر لا سکتی ہوں، حکم دو تو!"

وہ زہر خند کے ساتھ کہتی۔

"معاف کرو، مجھے آسمان کے تاروں کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو میرا چاند چاہیئے، ——— میرا مسعود خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو اور اسے بلا دو، اسے تار دو، فون کرو، اور اس سے کہہ دو جسے تو امی کہہ کر گلے سے لپٹ جایا کرتا تھا وہ اب اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہے، ایک مرتبہ آ کر اسے اپنا مکھڑا تو دکھا دے ———"

اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔

اور نشاط بھی دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگتی۔

اطہر اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل جاتا۔

اور بیرسٹر صاحب تو یہ معلوم ہوتا تھا، بس اب بیہوش ہونے والے ہیں۔

لیکن مسعود کا بلانا کچھ آسان تو نہیں تھا۔

اس کے آخری امتحان میں جس کے بعد اسے ڈاکٹری کی سند مل جاتی، صرف ڈیڑھ مہینے کا وقفہ باقی تھا!

اس موقع پر اسے بلانے کے معنی یہ تھے کہ اس کی زندگی برباد کر دی جاتی!

جس طرح وہ اپنے ملک میں امتیاز کے ساتھ امتحانات میں کامیاب ہوتا رہا تھا، اسی طرح اس نے لندن میں بھی امتیاز کے ساتھ کامیاب ہونے کا ریکارڈ قائم کر دیا تھا، عین اس مرحلے پر کہ اس کے سر پر تاج کامرانی رکھا جانے والا تھا، اسے واپس طلب کر لینا کتنی بڑی زیادتی تھی!

کئی مرتبہ، اطہر، بیرسٹر صاحب، اور نشاط کی کانفرنس اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے منعقد ہوئی لیکن ہر مرتبہ یہی طے پایا، کہ جس طرح بھی ہو یہ ڈیڑھ مہینہ گزر جانے دینا چاہیئے۔

البتہ نشاط نے صفیہ کو مطمئن کرنے کا ایک حل تلاش کر لیا تھا، وہ مسعود کو جب شدّت اور اصرار کے ساتھ بلانے کا مطالبہ کرتی نشاط جواب دیتی۔

"آپا، میں نے خود فون پر اس سے بات کی تھی، وہ سنتے ہی چل پڑا، لیکن بدقسمتی سے ہوائی جہاز پر کوئی سیٹ نہیں ملی،

بدرجۂ مجبوری وہ بحری جہاز سے آرہا ہے، بس انشاءاللہ پہنچا ہی چاہتا ہے!"

یہ سُنکر صفیہ کی چشمِ اشکبار خشک ہوجاتی، اور اس کے دلِ بے قرار کو کسی حد تک سکون آجاتا،!

۷

صفیہ اپنے بستر پر دراز تھی، کافی کمزور اور نحیف نظر آ رہی تھی، پیر سٹر صاحب اس کے سرہانے کرسی پر تشریف فرما تھے، اور سگریٹ کے بڑے بڑے کش لگا رہے تھے، نشاط پائنتیوں ایک کرسی پر بیٹھی تھی، اور سامنے دیوار پر صفیہ کے عین سرہانے زرینہ کا جو بڑا سا فوٹو آویزاں تھا اسے دیکھ رہی تھی، اور دل میں سوچ رہی تھی -

" واقعی کتنی پیاری لڑکی تھی، نہ جانے کس کی نظر کھا گئی اس معصوم کو، اس کا اور مسعود کا جوڑ سونے پر سہاگے کا کام دیتا -

وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ صفیہ کی آواز آئی، اس نے کہا -

" کتنے دنوں سے سن رہی ہوں مسعود آرہا ہے، مسعود آرہا ہے

آخر وہ کب آچکے گا ؟"

بیرسٹر صاحب نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا -

بعض بحری جہاز کئی جگہوں پر رکتا ہوا آتا ہے، اس لیے کبھی بھی اپنے پروگرام کے مطابق نہیں آ پاتا، کچھ نہ کچھ دیر ہو ہی جاتی ہے، لیکن میرا خیال ہے ـــــــ

وہ اکتا کر بولی -

" تم اپنا خیال رہنے دو، تم بتاؤ نشاط، مسعود کب تک آجائیگا !

بیرسٹر صاحب بیچارے چپ ہوئے ہیں، نشاط نے کہا -

" باجی مجھے امید ہے، ضرور وہ چند روز میں آجائے گا !"

صفیہ کہنے لگی " اللہ جانے " !

نشاط نے اسے اس کے قلب مضطر کو اطمینان دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا -

" باجی وہ ایک ہفتے میں ضرور آجائے گا !"

صفیہ نے پوچھا -

" اور اگر اس عرصے میں تمھاری باجی زندہ نہ رہی تو ؟"

نشاط بالکل پاس آکر بستر پر اس کے قریب بیٹھ گئی، اور اس

کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبّت بھرے لہجہ میں بولی -

" باجی ایسی بدفالی کی باتیں مُنہ سے نہ نکالو، اللہ چاہے اچھی ہو جاؤ گی، مسعود کی ساری خوشیاں تمھاری ہی ذات سے تو وابستہ ہیں ، ابھی کچھ دن ہوئے اس کا خط میرے پاس آیا تھا اچھا خاصا لمبا چوڑا خط ہے ، جانتی ہو شریر ہے ہی ، نہ جانے کیا کیا الّم غلّم لندن کی داستانیں لکھ ماری تھیں لیکن ہر سطر ڈیڑھ سطر کے بعد ، امّی ، میری پیاری امّی کا ذکر ضرور تھا ، وہ کیسی ہیں ؟ موٹی ہوئیں یا نہیں ؟ سوتے وقت روزانہ اوولٹین پیتی ہیں کہ نہیں ؟ میں نے پچھلے خط میں کہا تھا انھیں ملٹی موناہین ضرور استعمال کرنا چاہیئے ، پاپا نے لاکر دیں یا بھول گئے ؟ امّی بھی مجھے یاد کرتی ہیں یا نہیں ؟ میں تو ہر وقت انھیں یاد کیا کرتا ہوں ؟ ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں ۔
——— بس سارا خط انہی باتوں سے بھرا ہُوا تھا !"

ان باتوں سے صفیہ کے پژمردہ چہرے پر رونق آگئی ، تھوڑی دیر کے لیے اپنی بیماری اور زرینہ کا غم بھول گئی ، کہنے لگی -

" وہ تو فدا ہے مجھ پر ——— نہ جانے کیوں چاہتا ہے اتنا مجھے ؟"

نشاط ہنسنے لگی -

"یہ لیجئے، باجی تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے آپ کچھ کم چاہتی ہیں اسے؟ میں تو کہتی ہوں، آپ نے جو محبت اسے دی ہے- وہ اسے کبھی اور کہیں مل ہی نہیں سکتی تھی۔ آپ اس کی ماں بھی ہیں باپ بھی، بہن بھی، سہیلی بھی، آپ کا وجود تو اس کے لیے آیۂ رحمت ہے، ——

صفیہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں —— خدا اسے عمر خضر نصیب کرے، بڑا پیارا بچہ ہے، آپا زندہ ہوتیں تو بھی میں اسے چھین لیتی ان سے!"

پھر ذرا رُک کر وہ بولی۔

"میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے مسعود کے بغیر میری زندگی نا تمام ہے! وہ نہ ہوتا تو میری زندگی کا خلا پورا ہی نہیں ہوسکتا تھا ——

نشاط مسکرانے لگی۔

صفیہ نے پوچھا۔

"مسکرا کیوں رہی ہو؟"

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ بولی۔

"کیا کہوں باجی عجیب اتفاق ہے، —— سچ بالکل یہی بات

مسعود مجھے لکھا کرتا ہے!"

بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"بھئی نشاط، میاں مسعود سب کچھ ہوئے، ہم کچھ نہ ہوئے ان کے بغیر بیگم صاحبہ کی زندگی نا تمام تھی، وہ نہ ہوتے تو ہماری صفیہ بیگم کی زندگی کا خلا نہیں پورا ہو سکتا تھا — کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارا عدم وجود برابر ہے؟"

نشاط ہنس پڑی، اس نے کہا۔

"ہٹیے بھی بھائی صاحب — آپ اپنی جگہ میں مسعود اپنی جگہ، آپ کا مسعود سے کوئی مقابلہ نہیں، مسعود کا آپ سے کوئی مقابلہ نہیں!"

بیرسٹر صاحب نے بڑی توجہ سے یہ باتیں سنیں پھر کہا۔

"کاش یہ الفاظ تمھاری باجی صفیہ کے منہ سے نکلے ہوتے، تب بھی ایک بات تھی —"

صفیہ مسکرانے لگی، اس نے نشاط سے کہا۔

"انھیں تو ہر وقت مذاق سوجھتا رہتا ہے! زندگی بھر یہ مجھے چڑا چڑا کر ہنستے رہے!"

نشاط بولی۔

"اور ہنسانے بھی تو ہے، یہ کیوں بھول گئیں آپ؟"
صفیہ نے بڑے سوز کے ساتھ کہا۔

پہلے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

بیرسٹر صاحب نے اپنی کرسی کھینچ کر بالکل صفیہ کے بستر سے ملا دی، پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور پھر آب آنکھوں کے ساتھ گویا ہوئے۔

"صفیہ کیوں میری جان لینے کی درپے ہو؟"
شوہر کی اس بات سے صفیہ بہت متاثر ہوئی، اس نے کہا۔
"آپ ہر وقت جان کا ذکر بیچ میں کیوں لے آتے ہیں؟"
وہ ذرا جوش کے ساتھ گویا ہوئے۔
"اس لیے کہ مسعود کی محبّت، اور زرینہ کی یاد نے تمہیں مجھ سے بہت دور کر دیا ہے، اور جب میں یہ محسوس کرتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے خودکشی کر لوں!"
صفیہ اٹھ کر بیٹھ گئی، نشاط نے جلدی سے گاؤ تکیہ اس کی پیٹھ سے لگا دیا، صفیہ نے کہا۔
"کیا واقعی آپ ایسا محسوس کرتے ہیں؟"

وہ اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"ہاں ———

صفیہ نے کہا۔

"لیکن آپ کا خیال غلط ہے ——— آپ میرا ایسا سہارا ہیں، جس سے میرا دل خواہ کتنا ہی کمزور سہی زندہ ہے۔ جس سے میری روح خواہ کتنی مجروح سہی موجود ہے، جس سے میری زندگی خواہ کتنی غمگین سہی قائم ہے ———

بیرسٹر صاحب صفیہ کو تک رہے تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔

مسعود کی جدائی اتنے دنوں سے سہہ رہی ہوں، لیکن ختم پشتم زندہ ہوں، زرینہ کا داغ اتنے دنوں سے برداشت کر رہی ہوں، لبِ گور ہو گئی، لیکن اب تک مری نہیں ——— لیکن ذرا آپ مجھ سے دور ہو کر، میری نظروں سے اوجھل ہو کر دیکھ لیجئے ——— دیکھ لیجئے، پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں اس کے بعد بھی میں زندہ رہ سکوں گی؟"

بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"سمجھنے تو یہی لگا تھا، لیکن اب نہیں سمجھتا ہوں، میں غلط فہمی میں مبتلا تھا!"

صفیہ نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" مامتا کی تڑپ اور ہوتی ہے، لیکن محبت کچھ اور چیز ہوتی ہے، مامتا کی تڑپ میں عورت مر بھی جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں لیے جا سکتے کہ جسے اس نے دل وجان سے چاہا تھا اسے بھول گئی؟ وہ تو اپنی جگہ پہ ہے، اور یہ جگہ کوئی نہیں لے سکتا، اولاد تک نہیں ——— مسعود کو خدا سلامت رکھے، اور عمر نوح عطا کرے، کیا اس محبت کے باوجود جو اس سے میں کرتی ہوں، اس کے مال پہ، اور اس پہ وہ داعیہ رکھ سکتی ہوں، جو آپ کے مال پر اور آپ پر ہے؟ زرینہ کے غم میں مری جا رہی ہوں، اور شاید مر بھی جاؤں، لیکن، زرینہ پر بھی وہ دعوے مجھے ہو سکتا تھا، جو آپ پر اور صرف آپ پر ہے؟ اس گھر میں اگر چاہوں تو یہ سمجھ کر آگ لگا دوں کہ یہ میرے شوہر کا ہے، میرا ہے، کون میرا ہاتھ پکڑ سکتا ہے؟ لیکن مسعود یا زرینہ کے گھر کے ساتھ بھی یہ حق رکھنے کا دعویٰ کر سکتی ہوں؟ ——— نشاط نے سچ کہا، جو جس جگہ پر ہے وہ اسی کی جگہ ہے، آپ میرے لیے وہی ہیں جو میں خود ہوں، مسعود اور زرینہ کے لیے میں صرف بت ہوں ———

مانو تو ہے دیوتا نہیں تو پتھر!

نشاط نے خوشی کا جھولا جھولتے ہوئے کہا۔

" دیکھا بھائی صاحب آپ نے ہماری باجی کو؟ آپ سے زیادہ سمجھدار ہیں!"

وہ ایک دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔

" اور فلسفی بھی!"

۸

نشاط اپنے بچوں سمیت یہ فیصلہ کر کے صفیہ کے ہاں اٹھ آئی تھی کہ جب تک وہ بالکل اچھی نہیں ہو جاتی یہیں رہے گی، بیرسٹر صاحب نے اس کے اس فیصلہ کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا، اس فیصلے میں اطہر بھی برابر کا شریک تھا اور سب سے زیادہ ایثار اسی کو کرنا پڑا تھا!

نشاط تو بچوں سمیت اطمینان سے صفیہ کے ہاں ڈٹ گئی تھی، اور اپنے ساتھ نصیبن کو بھی لیتی آئی تھی، کوٹھی میں صرف دو ملازم تھے ان پر اسے چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔

اطہر کا کام اب یہ تھا کہ صبح صبح اٹھے، ملازم سے چائے بنوائے

ٹوس سینکے، اور انڈا تلے، دو چار لقمے کھا کر کالج کی راہ لے، وہاں سے صفیہ کے ہاں آئے، اور رات کے گیارہ بارہ بجے تک اس کی تیمار داری میں شریک رہے، اس کا دل بہلائے، اس کے توہمات دور کرنے کی کوشش کرے، اسے طرح طرح کے لطیفے سنائے، اور اسے خوش رکھنے کی جدوجہد کرے، اس کے بعد بھاگوں بھاگ کوٹھی پہنچے، اور بستر پر گرے، اور سو جائے۔

نشاط کے آجانے سے صفیہ کا دل ذرا بہل گیا تھا!

اس کی حالت میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا، اسے وہ بڑی خوبی سے سنبھال لیتی تھی، یہ کام نہ بیرسٹر صاحب کے بس کا تھا نہ بڑی بی کے، جنھوں نے اسے اور خالدہ کو گود یوں کھلایا تھا، اور بڑی اس کی مزاج داں ہونے کا دعویٰ کرتی تھیں۔

اب تک مسعود کی روانگی کی اطلاع لندن سے نہیں آئی تھی، گو نشاط نے صفیہ کی خطرناک حالت کی اطلاع اسے نہیں دی تھی، لیکن اپنے طور پر سخت تاکید کر دی تھی کہ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن بھی وہاں نہ ٹھہرے فوراً روانہ ہو جائے۔

مسعود کی طرف سے کسی اطلاع کے نہ ملنے کے باعث وہ سخت تشویش میں مبتلا تھی، اور مصیبت یہ تھی کہ اس تشویش کا اظہار کسی کے

سامنے کر بھی نہیں سکتی تھی، اطہر مذاق اڑانے لگتا، بیرسٹر صاحب سُنتے، اور سُنی کو اَن سُنی کر دیتے، اور صفیہ تو پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ جاتی، اور ایسے ایسے سوالات کرتی کہ جواب دینا مشکل ہو جاتا، لہٰذا اپنی اس پریشانی کو وہ دل ہی میں چھپائے ہوئے تھی!

ایک روز صفیہ نے پھر سوال کیا۔

"مسعود کی اطلاع آئی کوئی؟"

اس نے ہوا میں تیر چلایا۔

"جی ہاں ——— انشاء اللہ وہ جمعہ تک آجائے گا!"

صفیہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

"سچ ———؟"

وہ بھی اس کی خوشی میں شریک ہوتی ہوئی بولی۔

"ہاں باجی، بھلا میں جھوٹ بولوں گی آپ سے؟"

صفیہ مطمئن ہوگئی،

نشاط نے اسے اور زیادہ بہلانے کے لیے کہا۔

"باجی اب مسعود تو انشاء اللہ آ ہی رہا ہے!"

صفیہ نے اسی مسرت کے ساتھ کہا۔

"ہاں ——— خدا چاہے آ تو رہا ہے!"

وہ بولی۔

"ماشاء اللہ اس چار سال کی مدت میں اب تو کڑیل جوان ہوگیا ہوگا!"

صفیہ کو اندیشہ ہائے دور و دراز پریشان کرنے لگے اس نے کہا۔

"ہاں ——— لیکن اس طرح نہ کہو، نظر لگ جاتی ہے!"

نشاط ہنسنے لگی۔

"باجی میری نظر لگ جائے گی؟ ——— میرے لیے بھی تو وہ بیٹا ہی ہے!"

صفیہ نے جواب دیا۔

"ہاں ہے تو ——— لیکن تم نہیں جانتیں اپنوں کی نظر بہت جلد لگتی ہے!"

نشاط چپ ہوگئی، اس نے سوچا اس بحث کا زیادہ آگے نہ بڑھانا مناسب ہے!

صفیہ کچھ سوچنے لگی!

اسے یوں فکرمند دیکھ کر نشاط نے سوچا، کچھ ایسی باتیں کرنی چاہئیں، جن سے اس کا قلب محزون کچھ مسرت محسوس کرے اس نے کہا۔

"باجی، بس مسعود کے آتے ہی اس کی شادی کر دو!"

" ہاں کر دوں گی ——— اسے خیر سے آ تو لینے دو!"

نشاط نے سوال کیا -

" لیکن کہاں کرو گی؟ ——— کوئی لڑکی بھی نظر میں ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا -

" ہاں بی، کیوں نہیں ہے، میری نظر میں تو ایک ہی لڑکی اس کے لیے موزوں ہو سکتی ہے ———

نشاط نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر پوچھا -

" یہ لیجئے، چپکے چپکے دولہن بھی پسند کر لی، اور ہمیں خبر تک نہیں، ہم ایسے غیر ہو گئے؟"

یہ شکوہ کر کے اس نے پھر سوال کیا -

" تو باجی کون ہے وہ لڑکی؟ ——— ہمیں بھی بتاؤ!"

صفیہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا -

" زرینہ ———

یہ سنتے ہی نشاط کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی -

وہ سوچنے لگی، غضب ہو گیا، اگر یہ زرینہ ہی کے ساتھ مسعود کی شادی پر تل گئیں، تو وہ کہاں سے پیدا کی جائے گی؟

لیکن یہ بڑا کٹھن موقع تھا!

نہ صفیہ کی تائید کی جا سکتی تھی نہ اس سے اختلاف کا اظہار کیا جا سکتا تھا!

بہتر یہی تھا کہ اس گفتگو کو ٹال کر کوئی اور ذکر چھیڑا جائے۔

لیکن وہ ذکر کیا ہو؟

اتنے میں فرشتۂ غیب کی طرح اطہر نمودار ہوا۔

نشاط کی پریشانی رفع ہو گئی!

اس نے سوچا، اطہر اپنے لطیفوں اور چٹکلوں سے صفیہ میں اس وقت جو لہر پیدا ہوئی ہے، اس کا رُخ بدل دے گا۔

اور ہُوا بھی ایسا ہی۔

اطہر نے آتے ہی کہا۔

" آپا تم نے تو جیسے کسی لطف و تفریح میں حصّہ نہ لینے کی قسم کھالی ہے!"

وہ افسردہ لہجہ میں گویا ہوئی۔

" بھیّا مجھ سے بستر سے اُٹھا تک تو جاتا نہیں، سیر و تفریح کو بھلا کہاں جا سکتی ہوں!"

اطہر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

" لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپ سینما دیکھیں ——————

نشاط بھی شوہر کے پاگل پن پر اسے حیرت سے دیکھنے لگی، صفیہ نے کہا۔

"بھلا میں کس طرح سینما تک جا سکتی ہوں؟"

اطہر نے حسبِ معمول شوخ انداز میں جواب دیا۔

"آپ نہیں جا سکتیں، تو وہ آپ کے قدموں تک آسکتا ہے!"

نشاط نے کہا۔

"آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہوا کیا ہے تمہیں؟"

اس نے کہا

"شاید تم سمجھ رہی ہو میں مذاق کر رہا ہوں!"

وہ ذرا چڑتی ہوئی بولی۔

"تو کیا سچ کہہ رہے ہو؟"

اطہر نے جواب دیا۔

"ہاں بھئی ——— میں اپنی آپا کے لیے مشین لے آیا ہوں، وہ بستر پہ لیٹی رہیں گی، اور اسی کمرے میں ایک عمدہ دلچسپ، اور پُر مذاق فلم دیکھیں گی کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے!"

صفیہ کا بھی کچھ کچھ جی چاہنے لگا لیکن اس نے نشاط سے کہا

"یہ تو ہمیشہ اسی طرح کی پھلجھڑیاں چھوڑا کرتا ہے، تم خواہ مخواہ اُلجھ رہی ہو اس سے ؟"

وہ ذرا روٹھتی ہوئی بولی -

"میں کیوں اُلجھنے لگی ؟ —— کیا میں انھیں جانتی نہیں ؟"

اطہر نے کوئی جواب نہیں دیا، باہر گیا، اور ایک مشین لے کر آیا، بیرسٹر صاحب کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا، بچے سونے کے لیے لیٹ چکے تھے، انھیں جگا کر لے آیا، بڑی بی نماز پڑھ کر دعا مانگ کر ابھی آئی تھیں انھیں اور نصیبن کو، اس کی رضائی دُور پھینک کر اُٹھایا، اور اپنے ساتھ لیتا آیا۔

جب یہ ساری فوج جمع ہو گئی تو "تماشہ" شروع ہوا، مشین کے چلتے ہی دیوار پر تصویریں دوڑنے، ناچنے اور گانے لگیں -

فلم واقعی اتنی دلچسپ اور پُر مذاق تھی کہ بچے ہنستے ہنستے لوٹ گئے بڑی بی اور نصیبن کا بھی بُرا حال تھا، نشاط کئی دفعہ کھلکھلا کر ہنسی، بیرسٹر صاحب نے قہقہے لگائے، اور صفیہ نے بھی پُورا لطف لیا، اور بڑی دلچسپی سے شروع سے آخر تک فلم دیکھی، اور بار بار مسکراتی رہی !

۹

ادھر چند روز سے صفیہ کا حال پھر اُلٹ پلٹ ہو رہا تھا !
مسلسل کئی روز سے زرینہ پھر خواب میں آنے لگی تھی ۔

اور جب وہ زرینہ کو خواب میں دیکھتی تھی، تو جتنی صحت و قوت اس نے حاصل کی ہوئی ہوتی تھی، سب زائل ہو جاتی تھی ! ——
ایسا معلوم ہونے لگتا تھا، جیسے کوئی جاں بلب مریض ۔

اس حالت میں نہ تسلی کام آتی تھی، نہ تشفی، نہ دل لگی کی باتیں، نہ لطیفے، نہ چٹکلے، نہ داستانیں نہ کہانیاں !

ایسے موقع پر بیرسٹر صاحب اور اطہر بالکل ہار مان لیتے تھے ۔

البتہ ایک، نشاط تھی جو پان کی طرح اُسے اُلٹتی پلٹتی رہتی تھی!
نشاط کو سب سے زیادہ فکر اور صدمہ اس بات کا تھا کہ آخر مسعود کیوں نہیں آرہا ہے؟
اس کے آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟
کبھی کبھی ایک مبہم سا خیال اس کے دل میں آجاتا تھا، اور وہ کانپ کر رہ جاتی تھی!
وہ سوچتی تھی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مسعود نے ——
"اک بُتِ سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد"؟
اس زمانے کے لڑکوں کا کیا ہے ممکن ہے کسی سے آنکھ لڑ گئی ہو، اور صاحبزادے "امّی" کی محبت کے بل پر شادی رچا بیٹھے ہوں؟
جانتے ہیں "امّی" ہزار جان سے فدا ہیں کچھ بھی کر گزریں، وہ مرغی کی طرح اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گی، اور کچھ نہیں کہیں گی، لیکن اگر واقعی اس نے ایسا کیا ہے تو حماقت کی حد کر دی ہے۔
باجی کا واقعی پھر خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔
وہ بن موت مر جائیں گی!

جس لڑکے کی شادی وہ "زرینہ" سے کرنے پر تلی ہوں، وہ اگر لندن سے بیوی ساتھ لے کر وفعتاً نمودار ہو تو کیا ہو گا ؟

یہ قیامت کس سے سنبھالی جائے گی ؟

پھر تو ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا ۔

باجی مرتی رہیں گی ، اور ہم سرہانے کھڑے دیکھتے رہیں گے ۔

ہائے اللہ اس لڑکے نے اگر واقعی یہ حماقت کر ڈالی ہے تو کیا تدارک ہوگا اس کا ؟

کیا باجی کی قسمت میں غم و اندوہ کے سوا کچھ نہیں ہے ؟

ایک طرف زرینہ کا غم ، دوسری طرف مسعود کا لگایا ہوا چرکا ؟

—— کیا ہوگا آخر ؟

ایک روز اس خیال نے اتنا پریشان کیا کہ وہ سیدھی بیرسٹر صاحب کے پاس پہنچی اتوار کا دن تھا ، وہ اطہر کے ساتھ بیٹھے شطرنج کی ایک بازی کھیل رہے تھے ۔

نشاط نے پہنچتے ہی بساط اُلٹ دی ۔

بیرسٹر صاحب اطہر کو شہ دے چکے تھے ، اور مات دینے والے تھے کہ یہ حادثہ پیش آیا ، انھوں نے بہت برا فروختہ ہو کر کہا ۔

" شوہر پرستی کی یہ کون سی قسم ہے ؟ —— مات ہو چکی تھی آپ

کے اطہر صاحب پر!"

اطہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

" بھائی صاحب، اس خیال خام کو دل سے نکال دیجئے، مات کھانے والے کوئی اور لوگ ہوتے ہوں گے، میں نے آپ کی شہ کا توڑ پیدا کر لیا تھا!"

بیرسٹر صاحب نے جل کر کہا۔

" جی ہاں اسی لیے تو بیوی کو اشارہ کیا اور اس نے بساط الٹ دی! ــــ چلئے قصہ ہی ختم!"

نشاط نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

" آپ لوگ یہ باتیں بند بھی کریں گے یا نہیں؟"

نشاط کا سنجیدہ انداز گفتگو دیکھ کر بیرسٹر صاحب نے کہا۔

" چلو بند کر دیں یہ باتیں، ــــ مگر تم اتنی سنجیدہ کیوں نظر آ رہی ہو؟ ــــ خیریت تو ہے؟ صفیہ کو تو میں سوتا چھوڑ آیا تھا!" ـــ

" جی ہاں خیریت ہے، اور وہ بدستور خواب آور گولیوں کے سبب آرام سے سو رہی ہیں" ــــ

" پھر کیا بات ہے؟"

اطہر نے بھی ایک سوال کر ڈالا -

" پھر زندگی سے بیزار کیوں نظر آ رہی ہو ؟"

نشاط نے کہا -

" ذرا آدمی بنیئے ، اور میری بات کا جواب دیجئے ؟"

بیرسٹر صاحب نے کہا -

" لیکن کچھ کہو بھی تو ، تم تو صرف گرج برس رہی ہو !"

وہ بولی -

" میں کہتی ہوں ، کہیں مسعود نے لندن میں شادی نہ کر لی ہو !"

اطہر نے خوش ہوتے ہوئے جواب میں کہا -

" اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے ؟ —— ہم خوش ہمارا خدا خوش !"

" ہاں آپ سے تو یہی توقع تھی ، اس کے سوا اور آپ کہہ بھی کیا سکتے تھے ؟"

" تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں یہ کہوں کہ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو حد درجہ نالائقی کی ہے ؟ —— بتایئے بھائی صاحب ہم دونوں میں بے وقوف کون ہے ؟"

بیرسٹر صاحب نے اطمینان سے سگریٹ سلگایا ، اور فرمایا -

"دونوں" ——

اطہر ہنسنے لگا، پھر اس نے نشاط سے کہا۔

"اب ہوئیں خوش اپنے ساتھ مجھے بھی بے وقوف کا خطاب دلوا کر؟"

وہ خفا ہوتی ہوئی گویا ہوئی۔

"خدا کے لیے ذرا میری بات پر غور کیجیے!"

بیرسٹر صاحب نے اطہر سے کہا۔

"بھئی ذرا سنجیدگی سے سن لو، لڑکی کیا کہتی ہے؟"

اطہر نے شکایت کی۔

"آپ دونوں میاں بیوی نے لڑکی لڑکی کہہ کر تو ان کا دماغ آسمان پر چڑھایا ہے!"

نشاط نے اور زیادہ بگڑتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے —— یہ باتیں ختم ہی نہیں ہوں گی کسی طرح!"

اطہر بھی سنجیدہ بن گیا، اس نے کہا۔

"اچھا بھائی ختم کر دیں ساری باتیں —— اب تم اپنی شروع کر دو!"

وہ کہنے لگی۔

"اگر واقعی خدانخواستہ ایسا ہوا ہے تو غضب ہو جائے گا!"

اطہر نے پوچھا۔

"کیا غضب ہو جائے گا؟ ——— تم تو اس طرح قسطوں میں باتیں کرتی ہو کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا تمھارا اصل مقصد کیا ہے؟"

وہ بولی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر باجی کی زندگی سے ہاتھ دھو لیجیے۔"

بیرسٹر صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کیوں؟ ——— وہ تو خود اسے دولھا بنانے کی فکر میں گھلی جا رہی ہیں!"

نشاط نے جواب میں کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ——— لیکن کچھ خبر بھی ہے وہ مسعود کی شادی کس سے کرنا چاہتی ہیں؟"

بیرسٹر صاحب نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں تو خبر نہیں ہے، تم ہی ان کی رازدار ہو، بتاؤ!"

وہ بولی۔

"زرینہ سے" ———

یہ ایک بم کا گولا تھا جو بیرسٹر صاحب پر اور اطہر پر بیک وقت گرا۔

بیرسٹر صاحب نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

" کیا کہا زرینہ سے ؟"

وہ کہنے لگی ۔

" جی ہاں —— اب آپ ہی بتائیے اگر وہ اپنے ساتھ ایک میم صاحب لے آیا تو وہ زندہ رہیں گی " ——

بیرسٹر صاحب کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، انھوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

" لیکن مجھے یقین ہے وہ ایسا نہیں کرے گا، وہ اپنی امّی کو واقعی بہت زیادہ چاہتا ہے، اگر اسے وہاں کسی لڑکی سے محبّت ہو گئی ہے تو بھی جب تک صفیہ سے اجازت نہ لے لے اور اس کی رضامندی حاصل نہ کر لے ایسا نہیں کر سکتا —— یہ میرا اعتقاد ہے !"

یہ باتیں بیرسٹر صاحب نے کچھ اس عزم و یقین کے ساتھ کہیں کہ نشاط کے دل میں جو خیال بیٹھ گیا تھا وہ کسی نہ کسی حد تک دور ہو گیا اس نے کہا۔

" کہتے تو آپ سچ ہیں —— امید تو یہی ہے !"

بیرسٹر صاحب نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

" بالکل مطمئن رہو، ایسا نہیں ہو سکتا کسی طرح !"

اطہر کو ایک نئی بات سوجھی اس نے کہا۔

" بہ فرضِ محال اگر صاحبزادے اس طرح کی حرکت کرگزرے تو کیا ہوگا ؟"

بیرسٹر صاحب نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

" اس صورت میں صرف یہ کرنا ہوگا کہ صفیہ کو کسی طرح بھی اس حادثے کی اطلاع نہیں ہونے دی جائے گی، شادی قائم رہے گی!"

اطہر نے تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔

" شادی قائم رہے گی؟"

بیرسٹر صاحب نے کسی قدر برہمی کے ساتھ جواب دیا۔

" اور کیا طلاق دلوا دوں گا؟"

۱۰

بیرسٹر صاحب بیٹھے اپنے کمرے میں اخبار پڑھ رہے تھے اور ناشتے کے منتظر تھے کہ قضائے مبرم کی طرح نشاط نازل ہوئی، اس نے کہا۔

"تشریف لے چلیے بھائی صاحب!"

بیرسٹر صاحب نے اخبار چہرے پر سے ہٹا کر سوال کیا۔

"کہاں تشریف لے چلوں؟ — اخبار پڑھ رہا ہوں!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"اخبار بھی ساتھ لیتے چلیے!"

بیرسٹر صاحب نے اخبار میز پر رکھ دیا، اور کہنے لگے۔

"اچھا ناشتہ کر کے آتا ہوں!"

وہ پھر ہنسنے لگی، اور گویا ہوئی۔

"ناشتہ بھی حاضر ہے —— لیکن وہیں!"

بیرسٹر صاحب کو اس خواہ مخواہ کی ہنسی اور تبسّم پر کچھ جھنجھلاہٹ سی پیدا ہوئی، بگڑے ہوئے تیور سے بولے۔

"میرا مذاق اُڑا رہی ہے پگلی؟"

وہ کہنے لگی۔

"بھائی صاحب، میں آپ کا مذاق اُڑا سکتی ہوں؟ باجی کو ہمیشہ میں نے ماں اور آپ کو باپ سمجھا، کوئی لڑکی باپ کا بھی مذاق اُڑا سکتی ہے؟"

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں آب گوں ہوگئیں، بیرسٹر صاحب نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا، اور کہنے لگے۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا دیوانی —— کیا صفیہ نے بلایا ہے؟"

وہ بولی۔

"جی —— انہی نے!"

وہ اخبار بغل میں داب کر رکھتے ہوئے بولے۔

"بھائی، اس عورت نے جس کا نام صفیہ ہے، باپ بیٹی میں عداوت

پیدا کر دی ہے !"

نشاط نے متحیر نظروں سے دیکھا، اور سوال کیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی صاحب ؟ کیا آپ کو عداوت ہو گئی ہے کسی سے ؟"

وہ جل کر بولے ۔

"ہاں ——— زرینہ سے !"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس نے کہا ۔

"بھائی صاحب ایسی باتیں نہ کیا کیجیے !"

وہ اسی جھلاہٹ کے عالم میں بولے ۔

"تو کیا کروں ؟ میں تو افسوس کیا کرتا ہوں کہ زرینہ پیدا ہی کیوں ہوئی تھی ؟ ——— کیا اسی لیے پیدا ہوئی تھی کہ ماں کی جان لے !"

"بھائی صاحب یہ نہ کہیے ، مامتا کا جوش ایسا ہی ہوتا ہے !"

"چلو ہٹو ——— بڑی آئیں مامتا کا فلسفہ بگھارنے والی !"

——— اچھا ہاں بلایا کیوں ہے صفیہ نے ؟ کیا پھر زرینہ ———

"نہیں بھائی صاحب یہ بات نہیں ہے !"

"پھر کیا بات ہے ——— ؟"

"آج وہ مجھ سے بہت خفا ہوئیں ؟"

" توبہ کرو، وہ تم سے کبھی خفا ہو سکتی ہیں؟ ——— میں کیونکر اعتبارِ انقلابِ آسمان کر لوں؟ ——— ناممکن؟

" بھائی صاحب سچ؟"

" لیکن آخر کوئی وجہ بھی تو ہوگی؟"

" جی ہاں وجہ تو ہے مگر بڑی دلچسپ!"

" کیا ہے وہ دلچسپ وجہ؟"

" جب میں ان کا ناشتہ لے کر گئی، تو کہنے لگیں:"

" کیا انھوں نے ناشتہ کر لیا؟"

میں نے کہا۔

" آپ کا لے کر تو میں آگئی، بھائی صاحب کا لے کر ان کے کمرے میں نصیبن سے لے جانے کو کہہ آئی ہوں!"

بس یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گئیں، فرمانے لگیں۔

" تم لوگ قبر میں بھی میری پیٹھ نہیں لگنے دو گے!"

میں نے کہا۔

" باجی کیا ہوا؟"

کہنے لگیں، اور بہت بگڑ کر بولیں۔

" ہوتا کیا، جب میری زندگی میں ان کی حیثیت ناخواندہ تھمان

کی ہوگئی ہے تو میرے بعد تو شاید کوئی ان کی بات بھی نہیں پوچھے گا !"

میں نے کہا ۔

" ایسے باجی ، ایسے باجی " ———

بھلا وہ کہاں سنتی تھیں کہنے لگیں ۔

" اللہ رکھے وہ کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے ، ایک نہیں دس نوکر اپنی خدمت کو رکھ سکتے ہیں ، لیکن اخلاق و محبت بھی تو کوئی چیز ہے یہ چیز تو صرف اپنوں سے مل سکتی ہے ، نوکروں سے نہیں !"

میں قسمت کی ماری بول پڑی ۔

" باجی ، لیکن یہ سب کچھ آپ کیوں کہہ رہی ہیں ؟ ——— کیا میں بھائی صاحب کی خدمت نہیں کرتی ؟"

جل کر ، اور نفرت بھری نظروں سے مجھے گھور کر ——— ہائے وہ نفرت بھری آنکھیں بھی کتنی پیاری لگ رہی تھیں مجھے ، ——— کہنے لگیں

" بڑی خدمت کرتی ہو کیا کہنا ؟ ——— یہاں گرما گرم ناشتہ آگیا وہاں بعد میں جائے گا !"

میں جھوٹ بولی ، بولنا ہی پڑا ۔

" نصیبن گئی ہے لے کر !"

اور زیادہ تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"بخشو، بی نصیبن ہوں یا تم مجھے کسی پہ اعتبار نہیں، صبح کا ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا، وہ یہیں کیا کریں گے، میرے کمرے میں، میری آنکھوں کے سامنے"——

میں نے اپنی پیاری باجی کا منہ چوم لیا، اور دریافت کیا۔

"تو کیا بھائی صاحب کو جاکر بلا لاؤں؟"

خوش ہوگئیں اور مسکراتی ہوئی کہنے لگیں۔

"بس سوال جواب کرتی رہے گی؟—— جاتی کیوں نہیں!"

میں آگئی!

چلئے بھائی صاحب، باجی کے سامنے چل کر ناشتہ کیجئے، وہ لقمے توڑ توڑ کر آپ کو کھلائیں گی، جیسے کبھی زرینہ کو کھلاتی ہونگی اور مسعود کو کھلایا کرتی تھیں!"

نشاط کے اس شوخ جملے پر بیرسٹر صاحب کو ہنسی نہیں آئی، لبوں پر مسکراہٹ تک نہیں آئی، آنکھیں پُر نم سی ہوگئیں، کہنے لگے،

"کیوں نشاط جتنی محبت مجھے صفیہ نے دی ہے کیا کوئی اور عورت بھی آج تک اپنے شوہر کو دے سکی ہے؟"

نشاط نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

" بھائی صاحب ایمان کی بات یہ ہے کہ میں نے تو کسی بیوی کو اپنے شوہر سے اتنی بے پناہ محبت کرتے نہیں دیکھا، اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ خود بستر سے لگی ہوئی ہیں۔ زرینہ کے غم نے جان پر بنا رکھی ہے، مسعود نالائق آ ہی نہیں چکتا، اس کے فراق میں الگ گھلی جا رہی ہیں، لیکن جو آپ ہیں، سو کوئی نہیں!"

بیرسٹر صاحب نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

" مجھے فخر ہے کہ صفیہ میری رفیق حیات ہے!"

وہ کچھ چڑچڑاتی ہوئی بولی۔

" یہی الفاظ کئی مرتبہ ان کی زبان سے آپ کے بارے میں بھی سن چکی ہوں!"

دونوں کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔ صفیہ کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بیرسٹر صاحب نے نشاط سے کہا۔

اچھا اب جلدی چلو، ورنہ ہم دونوں کی شامت آ جائے گی!"

وہ ہنسنے لگی۔

" ہاں بھائی صاحب یہ بات تو ہے، آج کل غصہ بہت جلدی آجاتا ہے انہیں!"

بیرسٹر صاحب نے گویا اس کا دل رکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ بھی بیماری کی ایک قسم ہے، بیماری میں آدمی چڑچڑا ہو ہی جایا کرتا ہے!"

ابھی یہ دونوں صفیہ کے کمرے میں نہیں داخل ہوئے تھے کہ اطہر آ گیا اسے دیکھ کر بیرسٹر صاحب نے پوچھا۔

"آج تم کالج نہیں گئے؟"

وہ کہنے لگا، خوش قسمتی سے کالج کے ایک ٹرسٹی صاحب جنّت کے سفر پہ روانہ ہو گئے ہیں لہٰذا چھٹی ہے۔!"

نشاط بگڑ گئی۔

"توبہ توبہ، دیکھتے ہیں آپ بھائی صاحب؟ کسی کی موت پر خوشی کے شادیانے بجانا کون سی شرافت اور انسانیت ہے؟"

اطہر نے جواب دیا۔

"میں نے انھیں جنّت میں بھیجا ہے، جہنّم میں تو نہیں روانہ کر دیا!"

وہ اور زیادہ جل کر بولی۔

"جیسے جنّت اور جہنّم کے پروانے انہی کے پاس تو ہیں —— اللہ ری غلط فہمی اور خود فریبی!"

بیرسٹر صاحب ہنسنے لگے، انھوں نے فرمایا۔

"اب تم دونوں میں مہابھارت شروع ہو گئی! —— بھئی یہ عجیب

محبّت ہے، دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے ہیں لیکن ہر وقت کٹا چھنی رہتی ہے، جب دیکھو جنگ!"

اطہر نے بیرسٹر صاحب سے کہا۔

"بھائی صاحب وہ ٹرسٹی نہایت بےہودہ آدمی تھا، اس کا بس چلتا تو اس کالج کو اسکول بنا دیتا، چھانٹ چھانٹ کر نالائق لڑکے سفارش کر کے داخلے کے لیے بھیجا کرتا تھا اور میں ہمیشہ اس کی سفارش مسترد کر دیا کرتا تھا!"

بیرسٹر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر تو اسے مرنا ہی چاہیئے تھا ——— لیکن تمھاری عالی حوصلگی اور عالی ظرفی قابلِ داد ہے کہ پھر بھی تم نے اسے جنّت میں بھیجا، اگر جہنّم کا ٹکٹ دے دیتے تو کیا کر لیتا غریب!"

اطہر شکایت کناں لہجے میں بولا۔

"آپ بھی ہمیشہ نشاط کا ساتھ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دماغ ہمیشہ عرش بریں پر رہتا ہے۔

وہ روٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا معاف کیجئے، میرا ذکر تو رہنے دیجئے!"

اطہر نے اسے چھیڑتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم اپنے بھائی صاحب سے باتیں کر رہے ہیں، تم بیچ میں بولنے والی کون؟ ——— یاد رکھو، بھائی صاحب ہمارا ساتھ دیا کریں گے، آئندہ سے، تمھارا ساتھ دینے کے لیے آپا بہت ہیں!"

بیرسٹر صاحب نے ایک قہقہہ لگایا

"پھر ساری دُنیا بھی تمھارا ساتھ دے تو بھی مظلوم رہی رہو گے!"

۱۱

تینوں صفیہ کے کمرے میں پہنچے، وہ ایک گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

بیرسٹر صاحب اس کے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ نشاط اور اطہر نے بھی پاس ہی اپنی جگہ بنالی۔

نشاط چائے بنانے لگی، صفیہ نے شوہر سے کہا۔

"میں بیمار کیا پڑی، نہ آپ کے کھانے کا ٹھیک رہا، نہ ناشتہ کا؟"

بیرسٹر صاحب نے دُنیا جہان کی محبت آنکھوں میں سمیٹ کر صفیہ کو دیکھا، اور کہا۔

” خدا کے فضل سے اب تمھاری صحت اچھی ہوتی جا رہی ہے
جلد ہی بالکل اچھی ہو جاؤ گی، پھر یہ ساری بدنظمی دور ہو جائے گی!“
نشاط چائے کی پیالی بیرسٹر صاحب کے سامنے، اور صفیہ
کے سامنے رکھ چکی تھی، صفیہ نے چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔
” وہ تو نہ جانے ہیں کب اچھی ہوں گی، اور خدا جانے کب یہ
بدنظمی دور ہو گی، بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ناشتہ اور کھانا
آپ یہیں میرے سامنے کھایا کریں!“
بیرسٹر صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا۔
” اس سے بڑھ کر کیا بات ہے؟ یہ حکم سر آنکھوں پہ!“
صفیہ کے گالوں پر سرخی آ گئی، اس نے صرف چائے کی پیالی
پہ اکتفا کیا، کچھ کھایا نہیں، نشاط سے کہا۔
” تم کہہ رہی تھیں تم نے بڑے مزے کا انڈے کا حلوہ بنایا ہے،؟
——— وہ کہاں ہے؟“
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
” اگر کہیں ان حضرت (اطہر) کو پتہ چل جاتا، تو شاید اس کا بلس
بھی نہ ملتا، اب لاتی ہوں، اس لیے میں نے چھپا رکھا تھا کہ پہلے بھائی
صاحب کو کھلا لوں، پھر کسی اور کو دوں گی!“

اطہر نے کہا۔

"بھائی صاحب کا طفیلی بننا بھی فخر ہے، ہمیں کوئی شکایت نہیں لیکن جلد لاؤ!"

نشاط حلوا لینے چلی گئی، بیرسٹر صاحب نے اطہر سے کہا۔

"اتنے بدنیت ہو، یہ آج معلوم ہوا!"

اطہر نے کہا۔

"بھائی صاحب کیا کروں؟ ہر میٹھی چیز میری کمزوری ہے، اور انڈے کا حلوا بشرطیکہ نشاط کا بنایا ہوا ہو، میری کمزوریوں کا سرتاج ہے، آپ بھی انگلیاں چاٹنے لگیں گے، آنے دیجیے!"

بیرسٹر صاحب نے پھر فقرہ چست کیا۔

"دس مرتبہ کھا چکا ہوں، لیکن تمھاری طبیعت اتنی مبالغہ پسند کیوں ہو گئی ہے!"

بے ساختہ اطہر نے کہا۔

"یہ زبان کی کمزوری ہے!"

بیرسٹر صاحب نے ایک قہقہہ لگایا، صفیہ کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔

اتنے میں نشاط حلوے کی پلیٹ لے کر آ گئی، اس نے وہ پلیٹ

صفیہ کے سامنے رکھدی، اور کہا -

" باجی آپ ہی لگا دیجئے سب کا حصّہ ——— میں نے بچوّں تک کو نہیں چکھنے دیا ہے !"

یہ ذمہ داری انجام دینے پر صفیہ بغیر کسی بحث کے راضی ہو گئی کئی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اس کے سامنے رکھ دی گئیں اور وہ "حصّہ" نکالنے لگی -

" لو بی ، یہ تمھارا حصّہ ہے ، یہ بچوّں کا ، یہ بڑی بی کو دے دینا ، یہ نصیبن کو ، (ایک طشتری میں سب کے مقابلے میں ذرا زیادہ نکال کر) لو اطہر یہ تمھارا حصّہ رہا !"

اطہر نے بچوّں کی طرح ٹھنکتے ہوئے کہا -

" واہ آپا ، یہی آپ کا انصاف ہے ، سب کو تو اتنا زیادہ زیادہ دیا ، اور مجھے اتنا ذرا سا ، !"

صفیہ نے زیرِ لب تبسّم کے ساتھ کہا -

" یہ ذرا سا ہے ، چٹورے ؟ ——— لے !"

یہ کہہ کر ایک چمچہ اور اس کی طشتری میں ڈال دیا ، لیکن اطہر مطمئن نہیں ہوا -

" ہیری آپا ، تھوڑا سا اور !"

صفیہ نے پھر مسکراتے ہوئے ایک بڑا سا چمچہ اس کی طشتری میں اور ڈال دیا، نشاط ضبط نہ کر سکی کہنے لگی۔

"بہت گرم ہوتا ہے، ہیضہ ہو جائے گی!"

اطہر نے جواب دیا۔

"ہم ہیضے کے لیے بھی تیار ہیں، "مرگِ شیریں" تو ہماری آرزو ہے ——— مرنے دو!"

صفیہ نے ڈانٹا۔

کیوں اطہر تو چپ نہیں رہے گا، بک بک کیے جائے گا ———؟

نشاط بے بسی کے ساتھ کہنے لگی۔

"دیکھ لیجئے باجی ان کی باتیں اسی طرح یہ مجھے جلایا اور کڑھایا کرتے ہیں!"

لیکن اطہر نے اب بحث و مباحثے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور مزے لے لے کر حلوا کھانے لگا۔

پلیٹ میں جو حلوا باقی بچا ——— اور بہت کافی تھا، بلکہ اطہر سے تو دوگنا تھا ——— نشاط کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ اپنے بھائی صاحب کو دے دو!"

خود بیرسٹر صاحب بھی اطہر سے کم مٹھائی کے رسیا نہیں تھے بہت

خوش ہوئے، کہنے لگے۔

"یہ سب میرا ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا۔

"ہمیں کتنا؟"

اطہر نے بیرسٹر صاحب کو اور بیرسٹر صاحب نے اطہر کو دیکھا اور دونوں مسکرا دیئے، نشاط نے بیرسٹر صاحب سے کہا۔

"بھائی صاحب ذرا سا چمچے میں لے کر پھینک دیجئے!"

بیرسٹر صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"یہ کیا لغویت ہے، پھینک کیوں دوں؟"

اطہر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب آپ سمجھے نہیں، نشاط کا مطلب یہ ہے کہ نذر گزر کا پھینک دیجئے ذرا سا!"

بیرسٹر صاحب نے اپنی پلیٹ سے ایک چمچہ اور لے کر اطہر کی طشتری میں ڈال دیا۔

"نذر گزر کا بھی تم سے بڑھ کر مستحق کون ہو سکتا ہے؟"

اس نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ کہا۔

"جی بے شک"——

نشاط مسکرانے لگی ، اطہر نے بیرسٹر صاحب سے مزید کہا ۔

„ لیکن ان سے دریافت کیجئے ، نذر گزر کی اتنی مقدار کافی ہے ؟"

صفیہ بھی مسکرانے لگی ۔

„ واقعی اطہر تو بڑا بدنیت ہو گیا ہے ، پہلے تو اتنا نہ تھا !"

وہ بولا ۔

„ آپا ہمیشہ سے ہوں ——— یہ میری چالاکی ہے کہ آج تک آپ کو پتہ نہیں چل پایا ۔

بیرسٹر صاحب نے حلوے سے شغل جاری رکھتے ہوئے فرمایا ۔

„ بھئی ہم نہیں سمجھے !"

اس نے تشریح کرتے ہوئے اپنے قول کی تصدیق کی اور کہا ۔

„ آپا کی جتنی مٹھائی میں نے چرائی ہے شاید ہی کوئی میرا حریف ہونے کا دعویٰ کر سکے ، ان کی ٹافیاں تک جو بڑے شوق سے یہ کھایا کرتی تھیں اُڑا دیا کرتا تھا ۔ لیکن بھولی اتنی ہیں کہ کبھی مجھے نہ پکڑ سکیں !"

بیرسٹر صاحب نے بڑے فخر سے کہا ۔

„ ہاں بھئی ہماری صفیہ بھولی تو ہمیشہ سے ہے اور بہت زیادہ !"

اطہر نے سوال کیا ۔

„ کیا آپ بھی ان کی ٹافیاں چرایا کرتے تھے ؟"

بیرسٹر صاحب ہنسنے لگے، انھوں نے کہا۔

"نہیں بھائی ٹاٹا فیوں سے کہیں زیادہ قیمتی چیزیں"———

اطہر نے حیرت سے بیرسٹر صاحب کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بھائی صاحب ذرا سمجھائیے، بڑا اہم مسئلہ ہے، اور میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں!"

وہ فرمانے لگے۔

"بھئی نوٹ ——— کئی مرتبہ سو سو کے کئی نوٹ ان کے پرس سے میں نے اڑا دیئے، مگر کیا مجال ہے جو انھیں مجھ پر شبہ ہوا ہو۔!"

"لیکن سارے گھر کی تو شامت آجایا کرتی ہوگی!"

"ہاں یہ تو ہوتا تھا!"

"یہ بھی اچھی رہی چوری خود کی پٹوایا دوسروں کو"———

"نہیں شکی اور مشتبہ ملزم کو ہمیشہ سفارش کر کے بری کرا دیا!"

"اور آپانے بری بھی کر دیا!"

"بیٹھی تو ہیں پوچھ لو خود ہی!

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی چھپے رستم نکلے!"

اطہر نے لقمہ دیا۔

" چھپے رستم یا چھپے سلطانہ ڈاکو ؟"

ہیڈ ماسٹر صاحب سمیت سب ہی بے ساختہ ہنسنے لگے۔

اطہر نے کہا۔

"دیکھئے میں نے آپ سب صاحبان کو اتنا خوش کیا کہ ہنسا دیا، اب مجھے انعام چاہیئے !"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے دریافت کیا۔

" انعام کیا لوگے ؟"

اطہر نے بڑی سادگی سے کہا۔

" بس صرف ایک چمچہ اور ! ——— ابھی کم سے کم سات آٹھ چمچے اور رہیں آپ کے اس برتن میں جسے آپ پلیٹ فرماتی ہیں اور میں قاب کہتا ہوں !"

پھر سب ہنسنے لگے، ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک کے بجائے دو چمچے اور اس کی طشتری میں ڈال دیئے۔

ناشتے کے مرحلے سے فارغ ہو کر، اطہر نے کہا۔

" اب ایک اور بہت بڑی خوش خبری سن لیجئے۔ آپ سب حضرات خاص طور پر آپا !"

سب منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے، اس نے کہا۔

"جب میں کوٹھی میں داخل ہوا تو تار والا باہر کھڑا تھا، میں نے تار لے لیا، پڑھا، اور اسے دس روپے انعام دے کر اندر داخل ہوا۔"

صفیہ نے بے تاب ہو کر سوال کیا۔

"لیکن کس کا تار ہے؟ کیا لکھا ہے؟"

اطہر نے تار صفیہ کی گود میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"مسعود کل آرہا ہے"——————!